اضافہ جدیدہ

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم کی کتاب ''نقوش وتاثرات حکیم الامتؒ''
سے تفسیر بیان القرآن سے متعلق ماخوذ رسالہ مفیدہ

تَتِمَّۃُ الْبَیَان
فِی
تَرْجَمَۃِ الْقُرْآن

مرتّب
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ
بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

جدید کاوش
مفتی ابن مفتی حضرت مولانا سید عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہ
خلف الرشید حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ
(مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پردۂ تقدیر پدید

''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' کی اشاعت

رسالہ مفیدہ ''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' کا مفصل تعارف، اس کی اہمیت، افادیت اور ضرورت پر حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ''پیش لفظ'' میں بمالا مزید علی مفصل کلام فرمادیا ہے، جو قارئین اس کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس پیش لفظ سے واضح ہے کہ تفسیر بیان القرآن میں جن کلمات اور الفاظ کا ترجمہ رہ گیا تھا، مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم کے توجہ دلانے سے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ان مقامات کا ترجمہ تحریر فرمادیا تھا اور اشاعت کی غرض سے ان مقامات کو ایک جگہ جمع فرما کر اس مجموعہ کا نام بھی رکھ دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ حضرت کی حیات میں یہ مجموعہ شائع نہ ہوسکا اور نہ ہی ''مجلسِ خیر'' کے مسودات میں (جو دارالعلوم کراچی میں محفوظ ہیں) مل سکا، تو حضرت والد ماجد نے مولانا دریا آبادی مرحوم کی کتاب ''حکیم الامت نقوش و تاثرات'' سے جمع فرما کر ''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے اسے الگ تیار فرمالیا اور حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی اس پر تصدیق و تائید حاصل کرلی۔

تتمۃ البیان کے بعد معلوم ہوا کہ بیان القرآن میں کچھ اور کلمات بھی ایسے ہیں جن کا ترجمہ رہ گیا ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اطلاع حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیتے ہوئے لکھا: ''بعض مقامات پر ان کے علاوہ بھی ترجمہ چھوٹ گیا ہے یا ترجمہ میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے یا جمع کا ترجمہ مفرد سے ہوگیا ہے۔ ایسے مقامات کی نشاندہی بطورِ ضمیمہ کے اس مجموعہ کے آخر میں کردی جائے اس تصریح کے ساتھ کہ یہ مقامات حضرت حکیم الامت کی نظر انور سے نہیں گزارے گئے تاکہ حضرت کی قبول کردہ ترمیمات اور ان میں امتیاز ہوجائے، تو کیا رائے گرامی ہے، اب ایسا کردیا جائے؟''

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس قسم کے تمام مقامات کو منضبط تو کرلیں پھر مجموعہ سامنے آجائے تو اس کو دیکھ کر یہ مشورہ دیا جائے تاکہ طباعت و اشاعت کس طرح کی جائے۔

والسلام

بندہ محمد شفیع

۴/۳/۱۳۹۳ھ

چنانچہ حسب الحکم ان مقامات کا ترجمہ تحریر فرما کر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کوارسال فرمایا۔ حضرت نے از راہِ عنایت ان مقامات کوملاحظہ فرما کران کی تصدیق فرمادی۔ فلہذا اب انہیں بھی ''ضمیمہ تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ ان مقامات کے ترجمہ کے بغیر ''بیان القرآن'' کا ترجمہ یقیناً نامکمل ہے۔ اس لیے ضرورت تھی اس تتمہ اور ضمیمہ کو جلد سے شائع کیا جائے، لیکن افسوس کہ اب تک ایسا نہ ہوسکا۔

۱۳۹۹ھ میں مکتبۃ الحسن لاہور نے ''بیان القرآن'' تین جلدوں میں شائع کیا۔ اس کی پہلی دو جلدوں کے آخر میں ''تتمۃ البیان'' شائع ہوا لیکن تیسری جلد کا مسودہ ضائع ہوگیا۔

آج سے دس سال قبل کراچی کے ایک مکتبہ نے اس کی اشاعت کے لیے تقاضا کیا، ان کو مکمل تیار کرکے ارسال کردیا تھا لیکن انہوں نے بھی شائع نہیں کیا۔ اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

والله غالب علیٰ امرہ (الآیۃ) وکل امر مرھون باوقاتہ۔

جناب قاری محمد اسحاق صاحب مدظلہم مالک ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان عرصہ دراز سے حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کی کتب شائع کررہے ہیں۔ انہوں نے حضرت کی تفسیر ''بیان القرآن'' ۱۴۲۴ھ اور ۱۴۳۰ھ میں اپنے ادارہ سے بڑی عمدہ شائع کی ہے۔ ابتداء میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ بھی شامل اشاعت ہے۔ جو تفسیر بیان القرآن کی اہمیت وافادیت سے متعلق ایک جامع مضمون ہے۔ انہیں ''تتمۃ البیان'' کا علم ہوا تو احقر سے بار بار تقاضا اور اصرار فرمایا کہ ''تتمۃ البیان'' ہمیں دیا جائے، ہم اسے شائع کردیں گے۔

ابھی تین دن قبل انہوں نے بتایا کہ بیان القرآن شائع ہوچکا ہے، تتمۃ البیان کا انتظار ہے، ان شاء اللہ ہم اس ایڈیشن میں اسے شائع کردیں گے۔ احقر نے اس کا جائزہ لیا تو بیان القرآن جلد ۹ تا ۱۲ سے متعلق تتمۃ البیان کا حصہ نہیں مل سکا، ناقص اشاعت کے لیے دل آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے اپنی سی محنت اور کوشش کے بعد اصل کتاب ''حکیم الامت نقوش وتاثرات'' سے ان حصوں کی تکمیل کرکے اب مکمل ''تتمۃ البیان مع ضمیمہ'' موصوف کے حوالہ کررہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس محنت کو قبول ومنظور فرماویں اور اس ''تتمہ'' کو بھی اصل کے ساتھ ملحق فرماویں۔ حضرت اقدس حکیم الامت قدس اللہ سرہ، احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم ترمذی گمتھلوی، احقر کے والد ماجد رحمہم اللہ تعالیٰ کے رفعِ درجات کا سبب بنائیں۔ نیز محترم جناب قاری اسحاق صاحب زید مجدہم کو اس کی اشاعت پر بہت بہت جزائے خیر اور نفع عطا فرمائیں۔ آمین۔ وماذالك علی الله بعزیز۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف رسالہ مفیدہ

''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن''

بعد الحمد والصلوٰۃ: گزارش ناظرین کرام کی خدمتِ عالیہ میں یہ ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن کے بارے میں پہلے تو عام طور پر یہی سمجھا جاتا رہا کہ دوسری اردو تفسیروں کی طرح یہ تفسیر بھی صرف عوام اردو دانوں کے لیے ہی لکھی گئی ہوگی اور ان کے لیے ہی یہ مفید اور نافع ہوگی۔ یہی خیال اس تفسیر کے متعلق علماء کو بھی رہا۔ لیکن جب یہ تفسیر علماء کی نظر سے گزری اور انہوں نے اس کو ملاحظہ فرمایا، اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ اس کی افادیت ونافعیت کا دائرہ عوام تک ہی مفید نہیں ہے بلکہ عوام سے کہیں زیادہ یہ تفسیر علماء کے لیے کارآمد اور مفید ہے۔ گو اس کا فیض عوام وخواص سب کے لیے عام ہے اور ہر شخص اپنی استعداد وصلاحیت کے موافق اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ مگر عوام اردو دانوں کی بنسبت طلباء علومِ عربیہ اور علماء کرام اس سے استفادہ کرنے کی اپنے اندر زیادہ اہلیت وصلاحیت رکھتے ہیں اور مشکلاتِ قرآنی کے حل کرنے میں خاص طور پر ان کے لیے بہت ہی معین ومددگار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''بیان القرآن'' فہمِ مطالب قرآنی کے لیے جس طرح کفایت کرتا ہے، شکوک وشبہات کے ازالہ اور اشکالات کے حل کے لیے بھی زمانہ حاضرہ کی تفسیروں میں اس کو امتیازی اور خصوصی مقام حاصل ہے۔ اس کے حکیمانہ اسلوبِ بیان اور محققانہ طرزِ استدلال سے قرآن مجید کے مطالب اس طرح دلنشین ہوتے جاتے ہیں کہ پیش آمدہ شکوک وشبہات کا ازالہ اور اشکالات کا حل خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نہ تو قرآن پاک کے لفظوں سے کہیں تجاوز وعدول ہونے پاتا ہے اور نہ ہی روایاتِ صحیحہ اور سلف صالحین کے مستند اقوال سے اختلاف کرنا پڑتا ہے۔

تمام مقتدر علماء کرام کا تاثر اس تفسیر کے بارے میں یہی ہے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں ''مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لیے ہوگی مگر یہ تو علماء کے دیکھنے کے قابل ہے۔'' (از معارف، ماہ صفر ۶۳ھ)

اور خود علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے اس ترجمہ اور تفسیر کی جن خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ اس سے جہاں ناظرین کو اس کا اندازہ ہوگا کہ علامہ موصوف کی نگاہ میں اس ترجمہ وتفسیر کا مقام کس قدر بلند ہے وہاں علامہ موصوف کے قلم سے ہی ان خصوصیات کا تعارف بھی ہو جائے گا، جو اس ترجمہ وتفسیر میں پائی جاتی ہیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:

''قرآن پاک کا سلیس وبامحاورہ اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی احتیاط ایسی کی گئی جس سے حقیر کی نظر میں بڑے بڑے تراجم خالی ہیں۔قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے،اس لیے تمام اردو خوانوں کے فہم سے باہر ہے۔مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں،یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے۔اس ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اس زمانے میں کم فہم یا ترجموں کی عدمِ احتیاط کی وجہ سے جو شکوک قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں،ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل کے بغیر وہ شکوک ہی اس ترجمہ سے پڑھنے سے پیش نہ آئیں اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے عدول بھی نہ ہونے پائے۔اس لیے کہیں کہیں مزید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں۔یہ مولانا تھانوی کی عظیم الشان خدمت ہے۔'' (از معارف مذکور،ص ۹۰)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''تفسیر بیان القرآن:اس تفسیر کی حسبِ ذیل خصوصیتیں ہیں۔سلیس وبامحاورہ حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ نیچے''ف'' کے اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر،تفسیر میں روایاتِ صحیحہ اور اقوالِ سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے۔فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔لغات اور نحوی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے۔شبہات وشکوک کا ازالہ کیا گیا ہے۔صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گئے ہیں۔تمام کتبِ تفسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ذیل میں اہلِ علم کے لیے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کیے گئے ہیں۔یہ تفسیر اس لحاظ سے حقیقتاً مفید ہے کہ تیرھویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے اس لیے تمام قدماء کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں۔'' (از معارفِ مذکور،ص ۹۱)

اور فرماتے ہیں:''میرا خیال یہ ہے کہ قدیم کتبِ تفسیر میں راجح ترین قول مولانا کے پیشِ نظر رہا ہے۔'' (حوالہ مذکور)

البتہ تفسیر بیان القرآن کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ ایسے ہی حضرات اہلِ علم کو ہوتا ہے جنھوں نے مطالبِ قرآن کو سمجھنے سمجھانے اور درس وتدریس میں عمر کا خاص حصہ صرف کیا ہو اور تفسیرِ قرآن سے متعلقہ علوم کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا ان کو موقع میسر آیا ہو۔علومِ قرآنی کا مطالعہ جس قدر گہرا ہوگا اور مطالبِ قرآنیہ کا فہم اور ادراک جتنا عمیق ہوتا جائے گا،اسی قدر اس تفسیر کی صحیح عظمت ووقعت اور قدر ومنزلت کا انکشاف ہوتا جائے گا اور یہ حقیقت واضح ہوتی چلی جائے گی کہ اس زمانے میں اس شان اور اس پایہ کی تفسیر کا وجود اہلِ علم کے لیے نعمتِ عظمیٰ اور غنیمتِ کبریٰ ہے۔

مولانا عبد الماجد دریا آبادی،مؤلف تفسیرِ ماجدی نے جب اپنے ترجمہ وتفسیر میں بیان القرآن سے استفادہ کیا،اس وقت ان پر اس تفسیر کے جس قدر محاسن عیاں ہوئے اور تفسیری اشکالات کے حل کرنے میں جس قدر اس سے امداد اور رہنمائی حاصل ہوئی،اس سے پہلے سرسری مطالعہ کرنے سے وہ خوبیاں ان پر عیاں نہیں ہوئی تھیں۔

پھر تو موصوف نے بیان القرآن کی افادیت اور نافعیت کا اس زوردار انداز سے اظہار کیا کہ اس کا یقین صرف اس شخص کو آسکتا ہے جس کی نظر میں تفسیری اشکالات کے حل کے لیے متقدمین ومتاخرین کے تراجم اور کتبِ تفسیر کی ورق گردانی ناکافی

ثابت ہو چکی ہو اور اس سے ان کو شفاء حاصل نہ ہو سکی ہو اور پھر بیان القرآن کی طرف مراجعت کرنے سے اس کی بین القوسین کی کسی مختصر قید و عبارت سے تمام اشکالات کا حل اور سارے شبہات کا ازالہ ہو کر اس کو کلی شفاء حاصل ہو گئی ہو۔

بیان القرآن سے استفادہ کے دوران مولانا عبدالماجد موصوف نے اپنے جن تاثرات کا ذکر بذریعہ خطوط حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کرتے رہتے تھے اس کو انہوں نے اپنی کتاب ''حکیم الامت نقوش و تاثرات'' میں جمع کر دیا ہے۔ اس تاثر کا مختصر حال موصوف کے ہی قلم حقیقت رقم سے سنیئے، وہ لکھتے ہیں: ''بیان القرآن کی پوری قدر رفتہ رفتہ ہی جا کر ہوتی ہے۔ جب شروع شروع اسے کئی سال ہوئے میں نے دیکھا تھا تو ایک اوسط درجے کی کتاب نظر آئی تھی۔ پھر بعض لوگوں کو جب میں نے ترجمہ قرآن اس کی مدد سے پڑھانا شروع کیا تو اس کی قدر بڑھی اور پوری قدر تو اب جا کر ہو رہی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفسر نے ایک ایک لفظ تول تول کر رکھا ہے۔ (نقوش و تاثرات، ص ۳۳۶)

اور لکھتے ہیں:

''میرے پیشِ نظر تو عربی کی متعدد تفسیروں کے علاوہ شیخ الہند رحمہ اللہ کا اردو ترجمہ بھی تھا، لیکن مدد سب سے زیادہ بیان القرآن سے ملی، شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ کی طرح پختہ مسلمانوں کیلئے ہے۔ یہ کرامت آپ کے بیان القرآن ہی میں دیکھی کہ پختہ مسلمانوں کے لیے تو ہے لیکن ساتھ ہی بدمذہبوں اور مذبذبین سب کی رعایتیں موجود۔'' (نقوش، ص ۳۳۷)

ایک جگہ لکھا ہے: ''اپنی تفسیری خدمات میں نفع سب سے زیادہ بیان القرآن ہی سے حاصل کرتا ہوں اگرچہ پیشِ نظر بہت سی تفسیریں رہتی ہیں اکابر کی بھی

ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آگے ارقام فرماتے ہیں:

''مجھ سے تو اگر کوئی فرمائش کرے کہ تفسیر ابن عباس سے لے کر تفسیر حقانی تک جتنا ذخیرہ تفسیروں کا تمہارے پاس ہے، سب سے دست بردار ہو کر صرف ایک تفسیر اپنے پاس رکھو تو میرا انتخاب ''بیان القرآن'' ہی کے حق میں ہوگا۔'' (نقوش، ص ۵۷۹)

غرضیکہ جس شخص نے جتنا بھی تفسیر القرآن میں تدبر کیا اور غور و فکر سے کام لیا اتنا ہی اس پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے تفسیر کی افادیت و نافعیت اور افضلیت و اشرفیت ظاہر ہوتی گئی اور جس نے جس قدر بیان القرآن کا گہری اور عمیق نظر سے مطالعہ کیا اس کیلئے اسی قدر اس تفسیر کا فہم مطالبِ قرآنی کیلئے کافی، وافی اور حلِ اشکالات اور رفعِ شبہات کیلئے شافی ہونا ظاہر ہوتا چلا گیا۔

۱۳۲۶ھ میں بیان القرآن کی پہلی مرتبہ طباعت کے وقت چونکہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس پر نظرِ ثانی نہیں فرما سکے تھے جیسا کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں جو کہ نقوش و تاثرات میں طبع ہو چکا ہے، اس کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے اس میں بعض فروگذاشتوں کا رہ جانا مستبعد نہیں تھا۔ اس کے طبع ہونے کے بعد جب اہلِ علم نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور اس کے بعض مقامات کی طرف توجہ دلائی اور بعض مقامات از خود حضرت اقدس رحمہ اللہ کو ہی قابلِ اصلاح معلوم ہوئے تو حضرت اقدسؒ نے احقر کے والد ماجد مولانا سید عبدالکریم صاحب گمتھلوی مرحوم (سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

تھانہ بھون) کو اپنے ساتھ شامل فرما کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور قابلِ ترمیم و اضافہ مقامات میں جابجا مناسب ترمیم فرما دی۔ اس نظر ثانی کے بعد جناب مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون میں دوسری مرتبہ اس کی طباعت کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ اس کا ذکر حضرت قدس سرہ رحمہ اللہ نے ''تمہید ثانی'' میں ان الفاظ سے فرمایا ہے:

''میرے برادرزادہ برخوردار مولوی شبیر علی سلمہ مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے اسی طرح اس کی طباعت کا قصد کیا اور قابلِ ترمیم و اضافہ مقامات میں ترمیم و اضافہ کرنے کی مجھ سے درخواست کی، میں نے اس درخواست کو بخوشی منظور کیا اور نظر ثانی اس طرح کی کہ مولوی عبدالکریم سلمہ کمتھلی اول تفسیر کے ان مقامات کا جو اہل علم کے متوجہ کرنے سے مشورہ طلب ثابت ہوئے، مطالعہ کر کے مقاماتِ اشتباہ کو نوٹ کر لیتے تھے۔ پھر ان مقامات کو میرے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان میں غور کر کے میں نے تفسیر میں جابجا مناسب ترمیم کر دی۔'' (مکمل بیان القرآن، ص ۲)

لیکن یہ نظر ثانی چونکہ خاص خاص مقاماتِ تفسیریہ کے متعلق تھی اور زیادہ تر اس میں معنوی اور تفسیری حیثیت سے ہی قابلِ ترمیم و اضافہ مقامات پر غور کیا گیا تھا۔ اس لیے اس نظر ثانی کے بعد بھی بیان القرآن میں طباعت و کتابت اور سہو و نسیان کی بعض قابلِ اصلاح فروگذاشتیں باقی رہ گئیں، جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مولانا عبدالماجد نے اپنے ترجمہ قرآن کے لیے جب بیان القرآن کا بالاستیعاب اور بغور مطالعہ کیا اور اس کے ترجمہ کے حرف حرف کو دیدہ ریزی سے دیکھنا شروع کیا تو اس وقت ان کو جن فروگذاشتوں کا علم ہوتا گیا، مولانا موصوف نے ان کو حضرت اقدس قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں بذریعہ تحریر پیش کرنا شروع کر دیا۔ موصوف کے اپنے الفاظ ہیں: ''یہ سلسلہ مہینوں کیا برسوں تک جاری رہا۔ ہر ہفتہ عشرہ اِدھر سے استفادہ اور اُدھر سے افادہ برابر شروع ہو گیا۔ گویا ایک شفیق و ماہر استاد دور بیٹھا ہوا بر بر تحریر کے ذریعے درس دے رہا ہے۔ مراسلت کا اصل موضوع تفسیر قرآن ہوتا اور بڑھتا چلا گیا۔ بعض خط تو گویا اول سے آخر تک قرآنیات ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ تفسیری مذاکرے ہلکے علمی مناظرہ کا رنگ اختیار کر لیتے تھے۔''

مگر حضرت اقدس رحمہ اللہ عالی ظرفی اور فراخ حوصلگی کے تو پتلے تھے، اس لیے حضرت کو اس سے کبھی مطلق ناگواری اور گرانی نہیں ہوئی بلکہ اپنے خصوصی ذوقِ تحقیق، تواضع اور کسرِ نفسی جیسے اوصافِ فاضلہ کی وجہ سے بڑی فراخ دلی کے ساتھ ان پر غور فرماتے اور قابلِ قبول مشورہ کو شرف پذیری اور احسان مندی کے جذبات کے ساتھ قبول فرما کر مشورہ دینے والے کے حق میں حوصلہ افزاء کلمات تحسین اور دعائے خیر فرماتے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ایک والا نامہ میں مولانا دریا آبادی کو تحریر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو اس تنبیہ پر جزائے خیر بخشے۔'' (نقوش، ص ۴۳۲)

دوسرے والا نامہ میں تحریر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ فروگذاشتوں کی اطلاع فرما دیتے ہیں۔'' (نقوش، ص ۴۹)

حضرت اقدس قدس سرہ نے مولانا دریا آبادی کے پیش کردہ مشوروں کو اپنی کریم النفسی اور اپنے معمول کے موافق بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو ایک جگہ جمع فرما کر شائع کرانے کی خواہش کی اطلاع بھی مندرجہ ذیل الفاظ کیساتھ فرمائی: ''اطلاع: آپ کی

تنبیہاتِ ماضیہ ومستقبلہ تفسیر کو ایک جگہ جمع کر کے اس کا نام بھی رکھ دیا، موقع پر اس کو شائع کر دیا جائے گا۔'' (نقوش، ص ۴۳۱)

آگے تحریر فرمایا ہے: ''اس مجموعہ کو بہ شکلِ رسالہ تتمیم کے بعد ان شاء اللہ شائع کرایا جائے گا۔'' (نقوش، ص ۴۳۲)

مگر افسوس کہ باوجود تلاش وجستجو کے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ مجموعہ بہ شکلِ رسالہ حضرت اقدس سرہ کی خواہش کے موافق شائع ہوسکا یا نہیں۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا دریا آبادی کو کہ انہوں نے تفسیر کے متعلق اپنی اس مراسلت کو ''نقوش وتاثرات'' میں شائع کرادیا اور اس کو منظر عام پر لے آئے۔

سببِ ترتیب

لیکن چونکہ یہ مراسلت غیر مرتب بھی تھی اور متفرق ومنتشر طریقہ سے نقوش وتاثرات کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی تھی، اس لیے اس کے مختلف مقامات سے انتخاب کر کے اس مراسلت کو ایک جگہ جمع کرنے اور ترتیب دینے کا خیال آیا۔ کیونکہ ایک تو اس کے جمع اور مرتب کیے بغیر اس سے استفادہ کرنا بھی بہت ہی دشوار تھا۔ دوسرے اس جمع اور ترتیب سے حضرت قدس سرہ کی تمنا کی تکمیل کے ساتھ بیان القرآن کی بھی تتمیم ہوجاتی ہے۔ جس وقت یہ مجموعہ اپنی مرتب شدہ شکل میں شائع ہوگا تو بیان القرآن سے استفادہ کرنے والوں کے ہاتھ میں علوم ومعارف اور تحقیقات کا خزانہ آجانے کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ اور تفسیر کے بعض غوامض ودقائق اور نکات کی توضیح اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری التزامات ورعایات کا بھی کچھ علم ہوجائے گا، جس سے ترجمہ کی لطافت، بلاغت اور حلاوت دوبالا ہو کر اہلِ ذوق کے لیے وجد آفرین ہوگا۔

جمع وترتیب

اس جمع وترتیب میں پہلے تو بڑی تلاش وجستجو کے بعد نقوش وتاثرات کی ورق گردانی کر کے اس میں سے بیان القرآن سے متعلقہ امور کا انتخاب کیا گیا۔ پھر ان کو قرآن مجید کی ترتیب کے موافق مرتب کیا گیا۔ اس کے بعد ان تمام مقامات کا بیان القرآن کے موجودہ مطبوعہ نسخہ کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔ اور جس جگہ نقوش وتاثرات کے اندر جلد صفحہ وسطر کے حوالہ میں مطبوعہ نسخہ سے فرق معلوم ہوا اس کو اس کے موافق کر دیا گیا۔ اور مقابلہ کرنے سے جس مقام کے بارے میں ظاہر ہوا کہ اس کی تصحیح مطبوعہ نسخہ میں ہوچکی ہے۔ اس پر حاشیہ میں مختصراً اشارہ کر دیا گیا اور کہیں کہیں بعض دوسری ضروری اور مفید باتوں کا ذکر بھی حاشیہ میں ملے گا۔

اِجمالی کیفیت

اب اس مجموعہ کی اجمالی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس میں جن اصلاحات وترمیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کا تعلق کن کن چیزوں سے ہے اور وہ کس نوع اور کس قسم کی ترمیمات ہیں۔ (۱) بعض چیزیں تو اس مجموعہ میں ایسی ہیں کہ ان کی حیثیت مستقل تحقیقات اور اصلاحات کی ہے اور ان کو بطور افاداتِ جدیدہ کے اس میں شامل کیا گیا ہے۔

(۲) اور بعض ترمیمات واصلاحات کا تعلق آیتِ قرآنی کے ترجمہ سے ہے پھر اس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) کہیں تو قرآن کریم کے لفظ کا ترجمہ چھوٹ گیا۔ مثلاً ص ۷۴، ج ۱ پر ''ولقد اٰتینا'' میں ''لقد'' کا ترجمہ رہ گیا۔

(ب)اور کہیں ترجمہ میں کسی لفظ کا اضافہ ہوگیا۔مثلاً ص ۱۱۵،ج ا پر''ومن تأخر'' کے ترجمہ میں ''دودن'' کا اصل ترجمہ پر اضافہ ہوگیا۔.....(ج)اور کہیں ایسا ہوا کہ لفظ کا ترجمہ تفسیر میں تو صحیح تھا مگر تفسیر سے ترجمہ کے انتخاب کرنے میں غلطی ہوئی پھر غلطی سے یا تو ترجمہ کا لفظ بدل گیا کہ تفسیر میں اور لفظ تھا، ترجمہ میں دوسرا کردیا گیا۔جیسے ص ۹۲،ج ۱۲ پر''الا ماشاء اللہ'' کے ترجمہ میں جس قدر کی جگہ،جس وقت چھپ گیا یا ترجمہ کا لفظ بالکل چھوٹ گیا اور انتخاب کرنے والے کی نظرِ انتخاب میں وہ نہیں آیا۔اب اس کی وجہ یا تو یہ ہوئی کہ غلطی سے تفسیر میں ہی ترجمہ کو بین القوسین کردیا گیا تھا اور ناقل نے بین القوسین دیکھ کر اس کو ترجمہ سے خارج سمجھ لیا۔جیسے ص ۱۰۷،ج ۳ پر''حنیفا'' کا ترجمہ تفسیر میں بین القوسین کردیا گیا ہے اور اس لیے نقل میں نہیں آیا یا ویسے ہی ناقل کی نظر چوک گئی اور تفسیر سے ترجمہ نقل نہیں ہوا، جیسے ص ۱۷،ج ۶ پر''یومئذ'' کا ترجمہ تفسیر میں ''اس روز'' موجود ہے۔مگر ترجمہ میں نقل سے رہ گیا۔اور بعض مقامات سے پہلے ترجمہ کو خود حضرت اقدسؒ نے ہی تبدیل فرمادیا ہے۔پہلے ترجمہ کو حضرت نے کہیں تو اس لیے بدل دیا ہے کہ پہلے ترجمہ سے دوسرا ترجمہ زیادہ مناسب تھا، جیسے ص ۲۱،ج ۶ پر ''کانوا بہ یستھزؤن'' کا پہلا ترجمہ ''استہزاء نہ کیا ہو'' تھا، اب اس کو بدل کر''استہزاء نہ کرتے رہے ہوں'' بنادیا۔

اور کہیں پہلے ضمائر کے ترجمہ میں قلب ترتیب ہوگیا تھا، جیسے''نرزقکم وایاھم'' کے ترجمہ میں ہوگیا۔پہلے اس کا ترجمہ اس طرح تھا''ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے'' اس میں ضمیر غائب کا ترجمہ مقدم اور ضمیر مخاطب کا ترجمہ مؤخر ہوگیا ہے۔اور کہیں عبارت کے ترجمہ میں ایسا ہی قلب ہوگیا کہ پہلے کلمہ کا ترجمہ مؤخر اور پچھلے کلمہ کا ترجمہ مقدم لکھا گیا، جیسے ص ۵۷،ج ۴ پر''انا الانذیر وبشیر'' کا ترجمہ''بشارت دینے والا اور ڈرانے والا'' چھپ گیا، اس میں قلب ترتیب ہوگیا۔

اور بعض چیزوں کا تعلق پہلے ترجمہ کی توجیہ اور توضیح یا وجہِ ترجیح سے ہے، جیسے ص ۶۷،ج ۳ پر''لشھادتنا احق من شھادتہما'' میں شہادت کا ترجمہ ''قسم'' سے فرمانے کی توجیہ کتبِ لغت اور تفسیر سے کردی گئی ہے، یا مثلاً ص ۸۷، ج ۱۰ پر''ذکر'' کا ترجمہ بجائے''نصیحت'' کے''شرف کی'' چیز سے کرنے کی وجہ ترجیح بیان فرمادی گئی ہے۔

اسی طرح ص ۶۶،ج ۴ پر''اس کا ظہور میں'' لفظ''اس کا'' کا مشارالیہ صاف نہیں کھلتا تھا، اگرچہ اس کے قریب ہی لفظ''حق'' بہ معنی مصلحت مذکور ہے اور یہی لفظ اس کا مرجع بن سکتا ہے، اس لیے ترجمہ''موجودہ'' بھی کافی ہے۔مگر اب زیادہ توضیح کے لیے لفظ''مصلحت'' بین القوسین بڑھادیا گیا ہے۔بندہ اپنی اس محنت کا ثواب اپنے والد صاحب حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال کرتا ہے، جو حضرت اقدس سیدی حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خاص صحبت یافتہ معتمد علیہ اور ان کی علمی، فقہی خدمات اور بیان القرآن کی نظر ثانی میں شریک ہونے کے ساتھ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی بھی تھے۔اگرچہ بیٹے ہونے کے ناطے ہر نیک عمل کے ثواب میں وہ شریک ہیں لان الابن من کسب ابیہ۔تاہم اصالۃً بھی ان کو ایصالِ ثواب کی نیت کرتا ہوں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائیں، اور اس عمل کو ان کے باقیات صالحات میں شمار فرمادیں، آمین۔وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔فقط

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا (ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن''

نوٹ: مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم نے اپنی مراسلت کے نقل کرنے کے لیے (م) اور (الف) کو تجویز فرمایا ہے۔ (م) سے مراد خود مولانا موصوف ہیں اور (الف) سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے اسم ''اشرف'' کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ آئندہ اوراق میں انہی اشارات سے کام لیا جائے گا۔ مولانا عبد الماجد کے مضمون کو (م) اور حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب کو (الف) سے نقل کیا جائے گا۔ اور جہاں کہیں حاشیہ لکھا گیا ہے، حاشیہ کے آخر میں امتیاز کے لیے (ش) لکھ کر احقر نے اپنے نام کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔''

احقر سید عبد الشکور ترمذی۔۔۔۔ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

مقامات جلد اول

ا: (م) المغضوب علیھم: ترجمہ: جیسا کہ اس کا حق ہے اب تک سمجھ میں نہیں آیا۔ ''جن پر تیرا غضب نازل ہوا'' یہ محض مفہوم ہے ترجمہ نہیں۔ ایک تو ضمیر، تیرا کا اضافہ کرنا پڑا۔ دوسرا: صیغہ کو معروف سے مجہول بنانا پڑا۔ میرا دل اس قسم کی ترکیب ڈھونڈتا ہے جو مغضوب ہیں یا جن پر غضب کیا گیا۔

(الف) میں نے اپنا ترجمہ دیکھا اس کے یہ الفاظ ہیں ''ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا'' اس میں اگر لفظ ''آپ کا'' کو خطوطِ وحدانیہ میں ہو تو غالباً سب رعایتیں محفوظ ہو جائیں۔'' (نقوش، ص ۴۵۶)

(م) چوتھا مقام معنوی حیثیت سے سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہاں میں آپ ہی کے نہیں اکثر مفسرین کے اتباع سے ہٹ گیا ہوں۔ ان الذین کفروا سواء علیھم الخ میں مَیں نے زمخشری وغیرہ کا اتباع کر کے متن ترجمہ میں ''سواء علیھم الخ'' کو حال قرار دیا ہے۔ یعنی ایسے کافر (معاند) جن کے لیے انذار و عدمِ انذار سب برابر ہیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ البتہ حاشیہ یہ دے دیا کہ جمہور اہلسنت کا ترجمہ اس کے برعکس یوں ہے۔

(الف) یہاں کشاف موجود نہیں ورنہ اس کی عبارت اور وجہ اس کے اختیار کرنے کی دیکھتا۔ اب آپ کی تحریر سے جو سمجھا ہوں اس کی بنا پر عرض کرتا ہوں۔ حال ہونے کی تقریر تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ''کفروا'' میں جو ضمیر فاعل کی ہے راجع موصول کی طرف وہ ذوالحال ہے اور جملہ ''سواء علیھم الخ'' اس کا حال ہے اور ذوالحال اس حال سے مل کر فاعل ہے کفروا کا اور کفروا (صلہ) ہے موصول کا اور موصول اسم ہے انّ کا۔ اور لا یؤمنون خبر ہے انّ کی۔

بعض دوسرے مفسرین نے بھی یؤمنون کوانّ کی خبر کہا ہے۔مگر سواء علیھم الخ کو جملہ معترضہ بیانِ علت کے لیے کیا ہے، جس کا اعراب میں کوئی محل نہیں، حال ہونے کی صورت میں آیت کا یہ ترجمہ ہونا چاہیے کہ:

''یقیناً جن لوگوں نے ایسی حالت میں کفر اختیار کیا (غایت عار کے سبب) کہ ان کو آپ ڈرانا یہ نہ ڈرانا برابر ہے (یعنی کسی حالت میں عناد سے باز نہ آئیں گے) ایسے لوگ ایمان نہ لائیں گے۔''

اس ترجمہ سے حال ہونا صراحتاً مفہوم ہوتا ہے، یہ تو ترکیب کی تقریر ہوئی۔باقی وجہ اس کے اختیار کرنے کی ظاہراً ایک اشکال کا جواب دینا ہے۔وہ اشکال یہ ہے کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ کافر ہوئے وہ ایمان نہ لائیں گے، حالانکہ نزولِ آیت کے بعد بھی بہت سے کافر ایمان لائے تو آیت کے کیا معنیٰ ہوئے؟ صاحبِ کشاف اس ترکیب میں جواب دیتے ہیں کہ مطلق کفار کے حق میں نہیں بلکہ معاندین کے حق میں ہے۔پس وہ اشکال نہ رہا، لیکن ذرا غور کیا جائے تو وہ اشکال باقی ہے۔کیونکہ نزولِ آیت کے وقت بہت سے معاندین تھے اور بعد میں وہ ایمان لائے۔اگر یہ جواب دیا جاوے کہ جب عناد نہ رہا تب ایمان لائے تو ایسا جواب تو بدون اختیارِ قیدِ عناد کے بھی اشکال مذکور سے ہوسکتا ہے، یعنی کفار جب تک کفر پر رہیں گے ایمان نہ لاویں گے اور جب کفر سے باز آگئے تو مومن ہو گئے۔تو دفعِ اشکال میں اس ترکیب کو کوئی خاص دخل نہ ہوا۔علاوہ اس کے جملہ معترضہ ماننے میں بھی کشاف کی ترکیب کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، کیونکہ جملہ معترضہ میں علت کی طرف اشارہ مانا گیا ہے، پس معنیٰ یہ ہوں گے کہ کفار ایمان نہ لائیں گے کیونکہ وہ معاند ہیں۔

پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ آیت کفار معاندین کے حق میں ہے تو تفسیر کشاف میں کیا ترجیح ہوئی۔اس کے علاوہ جمہور نے اشکال کا اور جواب بھی دیا وہ یہ کہ موصول عہد کے لیے ہے، یعنی خاص کفار کی شان میں ہے جیسے ابوجہل، ابولہب وغیرہما۔اس صورت میں یہ بھی جائز ہے کہ سواء علیھم خبر ہو اور لا یؤمنون اس کی تفسیر ہو یا خبر بعد خبر ہو۔

لیکن اگر باوجود اس کے رفعِ اشکال کسی کو ترکیب کشاف میں ذوقاً سہل معلوم ہو اس کے اختیار کرنے کا مضائقہ نہیں، لیکن یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ جمہور کی ترکیب میں اشکال رفع نہ ہوگا۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود سب کا مشترک ہے۔یعنی رفعِ اشکال اور اس رفعِ اشکال کا مبنیٰ کوئی مسئلہ مختلف فیہ اہلِ سنت و معتزلہ میں نہیں، اسی لیے حاشیہ میں اس اختلاف پر تنبیہ خصوصی اہلِ سنت کے عنوان سے ناظرین کو خلجان میں ڈالے گا۔واللہ اعلم (نقوش، ص ۷ ۳۳ تا ۳۳۹)

۳۔(م) بقرہ کا ترجمہ میں نے بیل سے نہیں گائے سے کیا ہے لغت سے جھکتا ہوا پلہ مجھے گائے ہی کا معلوم ہوا۔

(الف) لغت اور نقل میں تو دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں کا اختیار کرنا جائز ہے لیکن مجھ کو بیل کا ترجمہ اس لیے راجح معلوم ہوتا ہے کہ آگے آیت میں لاذلول تثیر الارض ولاتسقی الحرث۔اور ظاہر ہے کہ گائے میں یہ وصف عارضی مثل فطری کے ہے، تو اس کی نفی کی کیا ضرورت تھی۔بدون نفی کے منفی تھا۔بیل میں البتہ نفی قصری کی ضرورت تھی اور بقرہ کا مذکر و مؤنث دونوں میں استعمال مصرح ہے۔لیکن اگر کسی کے ذہن میں دوسرے ترجمہ کو ترجیح ہو گنجائش ہے۔(نقوش، ص ۳۲۸)

۴۔(م) ص ۷ ۴، ج ۱، سطر متن ''ولقد اٰتینا'' کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(الف) اب بنا دیا اس طرح اور یہ تحقیق ہم نے الخ (نقوش، ص۴۴۹)

۵۔(م) ص۴۹، ج۱ پر آیت ''واذا قیل لھم آمنوا بما انزل اللہ قالوا نؤمن بما انزل علینا'' کی تفسیر بہ واسطہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وتوراۃ سے کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ واسطہ انبیاء بنی اسرائیل وصحفِ بنی اسرائیل سے تفسیر کی جاتی تو تاریخ یہود سے زیادہ مطابقت ہو جاتی۔

(الف) مگر اس میں ایک خلجان رہ جاتا ہے، وہ یہ کہ نؤمن بما انزل علینا یہود کا قول ہے تو ما انزل علینا سے وہی مراد ہو سکتا ہے جس پر ایمان لانے کے وہ مدعی تھے اور انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور وہ ان کی کتاب کا انکار کرتے تھے تو اس عموم کو ان کی طرف منسوب کرنا معارض ہوگا۔ (نقوش، ص۳۸۸)

۶۔(م) ص۵۰، ج۱، سطر متن ۱ ''عند اللہ'' کا ترجمہ نہیں ملا۔

(الف) اب ترجمہ اور تفسیر دونوں میں اس طرح بنا دیا ''عالمِ آخرت اللہ کے نزدیک محض الخ''۔ (نقوش، ص۴۴۹)

۷۔(م) ملۃ ابراھیم حنیفًا میں جمہور مفسرین کے اتباع میں مَیں نے حنیفًا کو ابراہیم سے متعلق کیا ہے نہ کہ ''ملۃ'' سے۔

(الف) آپ کے مختار میں ایک ترجیح ہے کہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو حنیف فرمایا ہے۔ یہ ترکیب اس کے موافق ہے اور میرے مختار میں ایک ترجیح ہے کہ ملۃ سے حال بے تکلف بنتا ہے اور ابراھیم سے بہ تکلف یعنی بواسطہ جوازِ قیام مضاف الیہ مقام مضاف کے کما مر جواب ہے۔ (نقوش، ص۳۴۸)

۸۔(م) ص۹۸، ج۱، لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب، اس کے تحت جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''برّ'' (نیکی) کو ساری کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ خیال مبارک میں یہ آ رہی ہے کہ جہت کا اہتمام کسی درجہ میں شریعت اسلامی کو یہی مطلوب ہے۔ عرض یہ ہے کہ یہاں خطاب ان گمراہ قوموں سے ہوا ہے جن میں سے بعض جہت پرست تھیں، یعنی ان کے نزدیک کوئی خاص جہت (خصوصاً مشرق) بجائے خود مقدس تھی۔ قرآن مجید تردید اسی گمراہی کی کر رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تقدس فلاں اور فلاں جہت میں کہاں سے آیا کہ جہات تو سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں (للہ المشرق والمغرب) نیکی کا انحصار تو فلاں فلاں عقائد صحیح اور اعمالِ صالح پر ہے۔

اسلام تو کسی بھی جہت کی تقدیس کا ذرا بھی قائل نہیں۔ نماز کو ایک متعین مکان یعنی کعبہ کی جانب ہونا چاہیے، اب خواہ وہ کسی بھی جہت میں واقع ہو جائے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کعبہ کہیں سے کسی جہت میں پڑتا ہے اور کہیں سے کسی میں۔ بہ خلاف عیسائیوں کے جن کے ہاں جہت مشرق بجائے خود مقدس ہے۔ ان کے گرجا ہمیشہ مشرق رو بہ ہوتے ہیں، خواہ پشت ہی بیت المقدس کی طرف کرنا پڑے۔ بیت المقدس قبلہ یہود کا ہے۔ رومی مشرکین چڑھتے ہوئے سورج دیوتا کی ڈنڈوت کے لیے مشرق کا رخ کرتے تھے۔ وہیں سے جہتِ مشرق کی تقدیس عیسائیوں نے بھی لی۔ قرآن مجید اس عقیدہ جہت پرستی کی تردید کر رہا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر لیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا میں ایک دوسرے عقیدہ فاسد کی تردید ہے۔ یہود کا جواب الگ، اس کا جواب قرآن مجید دوسرے عنوانات سے دے چکا ہے۔ باقی یہ نفی جو بار بار کسی خاص جہت کے تقدس کی ہو رہی ہے، اس کی مخاطب میری فہم ناقص میں یہی جہت پرست قومیں ہیں۔

(الف) اگر یہ خطاب خاص جہت پرستوں کو بھی ہو تب بھی اس کی نفی کی بناء سے نہیں ہوسکتی، کہ جہت کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں۔ خاص شرائع میں خاص جہات کا قبلہ ہونا یہ خود اس کی مطلوبیت من وجہ کو بتلارہا ہے بلکہ مطلق مطلوبیت بالذات کی قید لگائی جائے گی۔ سو میری تقریر اور آپ کی تقریر دونوں اس میں متماثل ہوئیں کہ مطلق ''بر'' کی نفی تو کسی توجیہ پر مراد نہیں، جیسا لیس البربان تاتوا البیوت من ظہورھا میں مراد ہے، کیونکہ وہ کسی بھی درجہ میں طاعت نہیں۔ اور ''بر'' مقید کی نفی دونوں توجیہوں پر مراد ہے۔ جیسے ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون'' میں بر مقید مراد ہے۔ کیونکہ نفس ''بر'' مطلق اتفاق سے بھی حاصل ہے۔ صرف فرق دونوں توجیہوں میں یہ ہوا کہ آیت ''لیس البر ان تولوا وجوھکم'' میں آپ کی تقریر پر اس کی مطلوبیت میں بالذات کی قید لگائی جائے گی۔ اور میری تقریر پر اس کی مطلوبیت میں کافی کی قید لگائی جائے گی۔ سو دونوں صحیح ہیں۔ اور دونوں کا ایک ہی حاصل ہے۔ صرف عنوان اور عبارت کا فرق ہے۔ اور دونوں توجیہوں پر خطاب عام بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس حکم میں اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام دونوں برابر ہیں کہ اپنی اپنی مشروعیت کے زمانہ میں سب کے قبلے طاعاتِ مقصودہ بالغیر ہوتے ہیں اور طاعاتِ مقصودہ بالذات نہ ہونے میں مشترک ہیں۔ البتہ جن کے قبلے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہ ہوا گر وہ جہت مقدس بھی نہ ہو تب بھی اس سے بریت منفی ہوتی۔ گو اعتقاد تقدس کا واجب ہوتا۔ مگر وہ محلِ بحث نہیں۔ اسی طرح جن جہات کا قبلہ ہونا ثابت ہے خواہ وہ جہت کی خصوصیت کی بناء پر یا کسی بقعہ کی فضیلت کی بناء پر۔ اگر اس جہت یا اس بقعہ کو کوئی مقصود بالذات سمجھنے لگے گا تب بھی بریت کی نفی کی جائے گی خواہ یہ اعتقاد کسی کتابی کا ہو خواہ کسی علم کا۔ بہرحال حکم مذکور فی الحمل میں کسی قوم کی تخصیص نہیں سب کے لیے عام ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ جہت کا کسی درجہ میں مطلوب ہونا اگرچہ وہ جہتِ کعبہ ہی ہو بوجہ مامور بہ ہونے کے آپ کی تقریر میں بھی منفی نہیں۔ اور مقصود بالذات کے درجہ میں مطلوب ہونا میری تقریر میں بھی لازم نہیں۔ (نقوش، از ص ۴۳۶ تا ۴۳۸)

۹۔ (م) ص ۱۰۳، ج ۱، میں ''من شھد منکم'' کا ترجمہ نہیں ملا۔

(الف) ترجمہ و تفسیر میں بتادیا، شخص کے بعد، تم میں سے، لکھ دیا۔ (نقوش، ص ۴۸۷)

۱۰۔ (م) ص ۱۱۳، ج ۱، ''فی الحج'' کا ترجمہ نہیں ملا۔

(الف) یوں بنادیا ''حج (کے زمانہ) میں'' ۃ (نقوش، ص ۴۹۶)

۱۱۔ (م) ص ۱۱۴، ج ۱، ''واذ کروہ'' میں ضمیر کا ترجمہ نہیں۔

(الف) اس طرح بنادیا ''اور اس کو اس طرح'' (نقوش، ص ۴۹۶)

۱۲۔ (م) ص ۱۱۵، ج ۱، ''ومن تاخر'' کے ترجمہ میں ''دو دن اصل پر اضافہ معلوم ہوا۔''

(الف) اب اس کو خطوطِ وحدانیہ کے اندر کردیا ہے۔ (نقوش، ص ۴۹۷)

۱۳۔ (م) ص ۱۲۱، ج ۱، ''ام حسبتم'' کے ترجمہ میں ''دوسری بات سنو'' اصل ترجمہ پر اضافہ معلوم ہوا۔

(الف) نہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ اس ''ام'' کو منقطع قرار دیا گیا ہے۔ پس اس کی توجیح اس ترجمہ سے ہوگئی تو گویا یہ ترجمہ مدلول

ہے ''ام'' کا۔ عربی ملحقات الترجمہ میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ (نقوش، ص ۴۹۷)

۱۴۔ (م) سورہ بقرہ کی آیتِ کریمہ ''فخذ اربعة من الطير فصرهن اليك ثم اجعل على كل جبل منهن جزءا الخ'' کی تفسیر میں جمہور مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ چار پرندوں کا جسم بعد ذبح مخلوط کر کے اس کا ایک ایک جزء الگ چار پہاڑوں پر رکھ دیا جائے۔ اس پر جناب نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا تھا کہ یہ تفسیر بلا مدد روایات خود الفاظِ قرآنی ہی سے نکلتی ہے نہ کہ وہ جو بعض جدید فرقے اس وقت کر رہے ہیں کہ مراد اس سے مجموعہ کے اجزاء یعنی چار الگ الگ افراد ہیں۔ اس ارشاد کی تفسیر میرے ذہن سے نکل گئی۔ ازراہِ شفقت و کرم مکرر ارشاد فرمادیا جائے۔ میرے ذہن ناقص میں یہ آتا ہے کہ اسمِ جزء کے معنی لغت میں ''قطعة من الشيء'' کے ہیں اور فعلِ جزء کے معنی پارہ پارہ کردن کے۔ منہن میں اگر اشارہ اسی طرف نکل آئے کہ مراد ان میں سے ہر ایک کے ہے نہ کہ ان کے مجموعہ کے۔ تو قولِ جمہور کی بڑی تقویت ہوجاوے۔

(الف) اس وقت کی بات تو یاد نہیں، باقی اس وقت جو ذہن میں ہے معروض ہے۔ اصل مقصود اہلِ حق کا ان طیور کی حیات بعد الممات ہے اور اہلِ زیغ اسی کے منکر ہیں اور یہ حیات بعد الممات خواہ اجزاء بمعنی قطعات کے متعلق ہو جیسا کہ جزء کے لغوی اور حقیقی معنی یہی ہیں۔ چنانچہ کتبِ لغت میں تصریح ہے اور خواہ مطلق ابعاض کے متعلق ہو جیسا کہ مجازاً جزو اس معنیٰ میں بھی مستعمل آیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ''لكل باب منهم جزء مقسوم'' و کما فی الحدیث ''الرؤيا الصالحة جزء من ستة واربعين جزء من النبوة'' او کما قال۔ اگر آیت میں حقیقی معنی مراد ہوں جیسا اصل یہی ہے اور اپنے محل میں دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ بدوں تعذرِ معنی حقیقی کے مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں۔ تب بھی مقصود پر دلالت ظاہر ہے کہ تقطیع کے بعد عروض موت یقینی ہے۔ اور اگر آیت میں حقیقی معنی مراد نہ ہوں تب بھی مقصود عقل سے ثابت ہے۔ کیونکہ اہلِ زیغ کی تفسیر پر یہ اہتمام ہی عبث ٹھہرتا ہے۔ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانوس جانوروں کو بلانے سے چلا آنا کبھی نہ دیکھا تھا یا اب نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس صورت میں اس کی تذکیر اور اس پر تنبیہ کافی تھی۔ اور ان دونوں دلیلوں کے ساتھ اگر اجماع کو جو کہ آثار و اخبارِ منقولہ عن السلف اور عدمِ نقلِ خلاف سے ثابت ہے، ملالیا جائے تو مقصود میں اور قوت بڑھ جاتی ہے۔ ان ہی وجوہِ مذکورہ میں سے بعض کی طرف روح المعانی میں بھی بہ اختلاف عنوان اشارہ ہے۔ اس کی عبارت ملخصاً یہ ہے:

فصرهن قرأ حمزة ويعقوب بكسر الصاد والباقون بضمها مع التخفيف من صاره يصوره ويصيره لغتان بمعنى قطعه او امامه لانه مشترك بينهما كماذكرابو على (قلت ويتعين معنى القطع بحمل جزؤ على المعنى الحقيقى) وقال الفراء الضم مشترك بين المعنيين والكر بمعنى القطع فقط وقيل الكر بمعنى القطع والضم بمعنى الامالة وعن الفراء ان صاره مقلوب صراه عن كذا قطعه (قلت لمكان الاشتراك خلاف الأصل يترجح كون الكسر بمعنى المقطع وقد قوى به متواترا و القراء تان فى حكم الآيتين فيترجح وقوع الامالة و القطع كليهما و أعظم منه فساد ماقيل انه عليه الصلاة والسلام جعل على كل جبل منهن طيراً حياً ثم دعاها فجاءت

فان ذلك يبطل فائدة الطلب و يعارض الأخبار الصحيحة فإن أكثرها ناطقة بأنها ميتة متفرقة الأجزاء الى قوله و مال الى هذا القول أبو مسلم فأنكر القصة أيضاً وقال ان ابراهيم عليه السلام طلب إحياء الموتى من ربه سبحانه و أراه مثالاً محسوساً قرب الأمر عليه و المراد بصرهن املهن و رهن على الاجابة أى عد الطيور الاربعة بحيث اذا دعوتها اجابتك حال الحياة والغرض منه ذكر مثال محسوس لعود الارواح الى الاجساد على سبيل السهولة ولا يخفى ان هذا خلاف اجماع المسلمين و ضرب من الهذيان لا يركن اليه ارباب الدين و عدول عما يقتضيه ظاهر الآية (قلت اى مجموع سياقها خصوصاً كلمة الفاء فى فخذ اربعة، الخ. فإنها الترتيب والاصل ترتب المطلوب على الطلب لا ترب غير المطلوب والمطلوب مشاهدة احياء الموتى فدلالة الآية على هذه الأحياء المؤيد بالأخبار الصحيحة والآثار الراجحة الى ماتبعه الاسماع ولا يدعو إليه داع فالحق اتباع الجماعة ويد الله تعالى لحمهم ۔ (۵۵۸ تا ۵۵۹)

مقامات جلد ثانی

(۱۵) (م) بیان القرآن ص ۲، ج ۲ سے لے کر دور تک قصد احد چلا گیا ہے اور جا بجا منافقین کا ذکر آتا گیا ہے، ص ۵۳ پر تفسیر کی پہلی سطر میں یہ مضمون ہے کہ سرغنہ منافقین مع اپنے تین سو ساتھیوں کے میدان جنگ سے واپس چلا گیا، اس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ اب لشکر میں کوئی منافق نہ تھا محض مؤمنین مخلصین ہی تھے، لیکن آگے چل کر بار بار منافقین کا ذکر خاص میدان جنگ ہی کے سلسلہ میں آتا ہے۔............... "ص ۶۱ سطر اول ص ۶۲ پر مکرر نیز ص ۶۲ پر"

(ا) منافقین کا تین سو ہی میں منحصر ہونا نہایت مستبعد ہے یہ منافقین اکثر یہود تھے اور مدینہ میں ان کی کثرت معلوم ہے تو تین سو کا جدا ہو جانا مستلزم اس کو نہیں کہ کوئی منافق نہ رہا ہو، چنانچہ قطع نظر روایات کے خود قرآن مجید کی بعض آیات سے ان کی شرکت معلوم ہوتی ہے لقولہ تعالیٰ: أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِّنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ، الآیۃ۔ باقی یہ کہ یہ لوگ جدا کیوں نہیں ہوئے یا تو ان کو اتفاقاً موقع نہ ملا یا عمداً اس مصلحت سے رہ گئے ہوں کہ مسلمانوں کو موقع بموقع برے مشورے دیں، یا ان کے اسرار اپنی جماعت کو پہنچائیں جیسا کہ دوسری آیتوں میں ان کی معیت بھی اور معیت کی یہ مصلحت بھی مصرح ہے قال تعالیٰ فی سورۃ النساء: إِنَّ اللهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وقال تعالیٰ فی سورۃ التوبۃ: وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۔ اس لیے اجزاءِ قصہ میں کوئی تعارض نہیں۔

۱۶ (م) ص ۶۴ ج ۲ تفسیر کی ۶، ثم صرفکم کے قبل، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے اپنی نصرت کو بند کر لیا، یہ پورا فقرہ شرح وتفسیر کے اعتبار سے تو بے شک ضروری اور ہر طرح برمحل ہے لیکن اس کا جزوِ ترجمہ ہونا ص ۶۴ کے حاشیہ کے باوجود پوری طرح دل نشین نہ ہوا، جو مقصد آنجناب کا ہے وہ تو شاید اسے محض تفسیر میں رکھنے سے بھی پورا ہو جاتا ہے۔ (نقوش، ۳۹۳)

ضرورت اس بناء پر معلوم ہوئی کہ ترجمہ سے حذف کردینے کے بعد ترجمہ
(۱) میں نے مکرر غور کیا اول وہلہ میں جزئیت کی
سے مطلب واضح نہ ہوگا مگر پھر یہ رائے ہوئی کہ اکابر دہلی کا ترجمہ دیکھ کر اس کا اتباع کیا جائے، سوان سب حضرات نے یہ مقدر
نہیں نکالا، لہٰذا میں نے اپنے ترجمہ کے مسودے میں بھی اور موجودہ کاپی میں بھی اس عبارت کو بجائے ترجمہ تفسیر بنادیا اور اوپر
(نقوش، ۳۹۲)
کے حصہ سے اس کو کاٹ دیا اور عربی حاشیہ میں سے بنائے توجیہ کو کاٹ دیا اور آپ کو دعا دی۔

۱۷ (م) ص ۱۷۱ ج ۲، سطر متن ۲، لفی شك منه، منه کا ترجمہ نہیں ملا۔

(۱) اب بنادیا اس طرح وہ ان کی طرف سے غلط خیال ہیں الخ۔ (نقوش، ۴۴۹)

۱۸ (م) ص ۱۷۶، ج ۲، والملائكة المقربون، تفسیر میں یہ عبارت درج ہے "اور نہ مقرب فرشتے کبھی عار کریں گے جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی ہیں جن کو الہ کا ایک جز مانتے ہیں" اس پر عرض یہ ہے کہ عیسائی حضرت جبریل علیہ السلام کے جزوِ تثلیث ہونے کے مطلق قائل نہیں، یہ التباس غالباً روح القدس سے پیدا ہوا، روح اللہ تو ہماری اصطلاح میں جبریل کے مرادف ہیں ورنہ عیسائیوں کے ہاں تو بالکل الگ ہستی ہیں جن کا جبریل یا کسی فرشتہ سے کوئی تعلق نہیں، البتہ عیسائیوں کا سوادِ اعظم کل ملائکہ مقربین خصوصاً میکائیل کو خدائی میں کسی حد تک دخیل وشریک سمجھتا ہے اور ان سے روزانہ اپنی دعاؤں میں استقامت و استمداد کرتا رہتا ہے جیسے ہمارے ہاں کے غالی اہل بدعت بزرگوں اور پیروں کے ساتھ معاملہ کرتے رہتے ہیں۔

میری فہم ناقص میں یہ قرآنی اشارہ اسی عقیدہ فاسد کی جانب ہے جیسے دوسری جگہ ملائکہ کا وصف عباد الرحمن کہہ کر یہ بتادیا گیا ہے کہ انہیں خدائی میں کچھ دخل نہیں وہ تو محض بندے ہیں مذاہب غیر کی کتابیں جتنی زیادہ پڑھتا جاتا ہوں اتنا ہی قرآن پاک کا اعجاز دل میں اور زیادہ اتر جاتا ہے قوموں کی قومیں ایسی گزر چکی ہیں جنہوں نے آسمان کو دیوتا مانا ہے زمین کو دیوتا سمجھ کر پوجا ہے، ہوا، بارش، رعد، برق، رات اور دن، شجر، حجر اور حیوانات سب کی پوجا کی ہے۔

قرآن مجید جو بار بار ان سب کو مختلف پیرایوں میں محض مخلوق بتاتا ہے اس کی حکمتیں اب کھلتی جاتی ہیں ورنہ اب تک تو کبھی کبھی یہ شبہ پیدا ہوجاتا تھا کہ ایسی کھلی ہوئی حقیقتوں کو بار بار بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

(۱) مجھ کو اس کی تحقیق نہ تھی واقعی روح القدس کے متعلق یہی خیال تھا کہ جیسے ہم اتباعاً للقرآن روح القدس کا مصداق حضرت جبریل علیہ السلام کو کہتے ہیں اسی طرح عیسائی بھی کہتے ہیں اب معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک دونوں کے مفہوم میں تغایر ہے مگر یہ پتہ کہ اس روح القدس کی حقیقت کیا ہے؟ آیا کوئی فرشتہ ہے؟

اگر یہ ثابت ہوجائے تب تو تفسیر کی عبارت میں بجائے لفظ جبریل علیہ السلام کے روح القدس کا لفظ بدل دینا کافی ہے اور اس صورت میں اس کا تعلق مسئلہ تثلیث سے رہے گا جس کا اوپر ذکر ہے اور اگر وہ ان کے نزدیک فرشتہ نہیں تو عبارت کی تفسیر کا اس طرح بدلنا مناسب ہوگا، "نہ مقرب فرشتے کبھی عار کریں گے جن کو بعضے مشرک شریک الوہیت مانتے ہیں خود ان سے کوئی پوچھ دیکھے تو اس تقدیر پر اس کا تعلق خاص مسئلہ تثلیث سے نہ ہوگا مطلق شرک سے ہوگا جس کو اوپر تقریر ربط میں عام رکھا ہے۔" (نقوش ص ۴۵)

مقامات جلد ثالث

۱۹ (م) ص ۱۳، ج ۳، سطر آخر: سوف ینبئھم اللہ، میں سوف کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(ا) واقعی رہ گیا، اب بنادیا ہے ترجمہ میں تو بعد لفظ اور کے عنقریب بڑھا دیا ہے اور تفسیر میں اور کے بعد عنقریب اور آخرت میں کے بعد یہ عبارت کہ وہ بھی قریب ہی ہے بین القوسین بڑھادیا ہے اور چونکہ اس جلد کی کاپی چھپنے گئی ہے اس کو خاص یادداشت میں لکھوادیا ہے اخیر میں بحوالہ مقام لکھوادیا جائے گا۔ (نقوش، ۴۰۳)

مطبوعہ نسخہ میں تصحیح کی ہوئی ہے۔

۲۰ (م) ص ۱۹، ج ۳، سطر آخر: وجعلکم ملوکًا کے تحت میں یہ عبارت درج ہے: ؟؟ تم کو صاحبِ ملک بنادیا، چنانچہ فرعون کے ملک پر ابھی قابض ہو چکے ہو) لیکن فرعون کے ملک پر اس وقت بنی اسرائیل کا قبضہ ہو جانا تاریخ سے ثابت نہیں ملک کے معنیٰ اگر غلامی، محکومی سے نجات پاجانے والے آزاد و خود مختار کے لیے جائیں (جیسا کہ اکابر سلف کے متعدد اقوال میں پایا جاتا ہے) تو یہ عبارت حسبِ ذیل ہو سکتی ہے:

"تم کو خود مختار بنادیا (چنانچہ فرعون کی غلامی سے ابھی ابھی نجات پا چکے ہو) اسی طرح اسی صفحہ پر فانھا محرمۃ علیھم اربعین سنۃ کے تحت درج ہے کہ یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا (اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا، رستہ ہی نہ ملے گا" اس میں "گھر جانا نصیب نہ ہوگا" سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین کا ملک کوئی اور تھا اور بنی اسرائیل کا وطن کوئی اور۔ حالانکہ دونوں ایک ہی تھے اس لیے ان چند الفاظ "اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا" کو اگر حذف کر دیا جائے تو کوئی الجھن باقی نہ رہے گی۔

(ا) یہ دو سوال تاریخ سے متعلق ہیں، اگر فتح مصر مقدم ہے تو تفسیر موجودہ صحیح ہے اور اگر مؤخر ہے تو آپ کی تفسیر صحیح ہے میں نے قرائن سے تقدم فتح مصر کو راجح سمجھا باقی احتیاطًا میں نے آپ کی تحقیق کو شائع کرنے کے لیے دے دیا جو جس کو راجح سمجھے گا اختیار کرے گا علیٰ ہذا، دوسرا سوال اتحاد و تقاریر کا بھی تاریخی ہے جس سے مقصود میں خلل نہیں پڑتا" (نقوش، ۵۸۳، ۵۷۴)

اطلاع: متعلق ترجمہ آیت وجعلکم ملوکا میں نے اس کے متعلق ایک حاشیہ لکھ دیا ہے جو اس موقع پر تو نہیں چھپ سکتا کیونکہ وہ جلد چھپنے گئی ہے اس کے یا مجموعہ تفسیر کے آخر میں بہ قید حوالہ چھپ جائے گا۔

ہو اہذا: یہ ترجمہ صاحب ملک اس صورت میں ہے جب فتح شام سے پہلے مصر پر ان کا قبضہ ہو جائے اور دوسرے قول میں اس ترجمہ کے اول میں لفظ "جیسے" جو تشبیہ کے لیے بڑھا دیا جائے اور بین القوسین عبارتِ ذیل بڑھائی جائے (یعنی کس کی رعیت ہونے سے آزاد)۔ (نقوش، ۴۱۲)

(م) ص ۱۹، ج ۳، سطر آخر "تم کو صاحب ملک بنادیا چنانچہ فرعون کے ملک پر ابھی قابض ہو چکے ہو"

اس پر یورپ کا اعتراض ہے کہ قرآن نے موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بنی اسرائیل کو بادشاہ (ملوکًا) کہلا دیا حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بادشاہت انہیں اس وقت نہیں بہت بعد کو ملی تھی۔

میری ناقص فہم میں جعلکم ملوکًا کی تفسیر اگر آزاد و مختار ہو جانے سے کی جائے تو یہ اعتراض از خود ساقط ہو جاتا ہے

مصر پر اسرائیلیوں کا فی الفور قبضہ تاریخ سے بالکل ثابت نہیں ہوتا بلکہ فرعونوں کی غرقابی کے بعد انہوں نے اپنا سفر مشرق کی جانب بدستور جاری رکھا اور بجائے مصر کی طرف واپس ہونے کی وادیٔ سینا ہی کی طرف بڑھتے گئے۔

ابن جریر میں کئی روایتوں کی تائید سے جعلکم ملوکًا کی تفسیر میں لکھا: سخر لکم من غیرکم خدما یخدمونکم اور میرے دل کو سب سے زیادہ یہ روایت لگی، عن سفیان بن وکیع قال کانت بنو اسرائیل اذا کان للرجل منھم بیت وامرأة وخادمھم ملکًا، اس تفسیر پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، کشاف میں ملک کے کئی معنی، علاوہ اصطلاحی بادشاہی کے دیئے ہیں مثلاً من له مال لایحتاج معه الی تکلف الأعمال و تحمل المشاق، فارغ البالی وآسودہ حالی کی یہ نعمت بے شک مصر سے نکلتے ہی حاصل ہوگئی تھی۔

(ا) ان حضرات مفسرین نے جو تفسیر لکھی ہے وہ بھی بجائے خود صحیح ہے مگر عند التحقیق یہ سب معانی مجازی ہی ہیں کما صرح بہ صاحب روح المعانی بعد نقل ہذہ الاقوال اور میں نے جو تفسیر اختیار کی ہے وہ حقیقت ہے اور بدون تعذر کے حقیقت کو نہیں چھوڑا جاتا اور یہاں کوئی تعذر نہیں۔ کیونکہ آیت میں یا تفسیر میں یہ کہیں نہیں کہ غرق فرعون کے بعد متصل ہی اس پر قابض ہو گئے تھے اس لیے تعارض تاریخی کا اشکال واقع نہیں ہوتا، اگر لفظ ''ابھی'' سے شبہ ہو تو ابھی زمانہ قریب کے لیے آتا ہے اور قرب و بعد کا مدار عرف پر ہے شام پر جہاد کا حکم ہونے سے پہلے قبضہ ہو جانا بہ اعتبار فتح شام کے قریب کہا جاسکتا ہے اور مصر پر قبضہ خود قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے: کما یدل علیه قوله تعالیٰ فی بنی اسرائیل فأراد (فرعون) أن یستفزھم من الأرض (وھی أرض مصر قطعاً) فأغرقناه ومن معه جمیعاً وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (لمذکورة)

حاشیہ: نیز سوال میں بھی قریباً من القطع و قوله تعالیٰ فی الشعراء بعد قوله فأخرجنھم و أورثناھا بنی اسرائیل فھو نص فی استیلاء بنی اسرائیل علی ملك فرعون، بہت بعد سلطنت ملنا تسلیم کرلیا گیا ہے۔

بس ترتیب واقعات بلا غبار یوں ہو سکتی ہے کہ غرق فرعون کے بعد فوراً مصر کو واپس نہیں ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے، عطائے توریت وغیرہ کے بعد مصر پر قابض ہو گئے، للآیتین المذکورتین آنفًا۔

پھر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کا آبائی وطن ملک شام جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اول ہجرت فرما کر آرہے تھے ان کو دیں اس وقت وہاں عمالقہ کی حکومت تھی الخ، یہ آیتیں جن میں جعلکم ملوکًا آیا ہے اس موقع کی ہیں جب وہ مامور بجہاد العمالقه ہوئے اور اس سے پہلے مصر پر قابض ہو گئے پس میرا یہ کہنا تفسیر میں صحیح ہوا کہ ملک فرعون پر ابھی قابض ہو چکے ہو، یعنی جس وقت اس جہاد کا حکم ہو رہا ہے اس سے قبل زمانہ قریب میں، الخ، بس اب کوئی اشکال نہیں رہا، یہ سب صحت تاریخ کی تسلیم کے بعد ہے ورنہ قصہ اور بھی سہل ہے واللہ اعلم۔ اگر اب بھی کوئی شبہ ہو بے تکلف ظاہر فرما دیا جائے میں نے مدت ہوئی یہی ترتیب کئی سال پہلے اپنے رسالہ ''الترتیب اللطیف'' میں لکھ دی ہے'' (نقوش، ۴۰۵)

(م) پچھلے والا نامہ میں ارشاد ہوا تھا کہ مصر پر قبضہ بنی اسرائیل خود قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے: فی الشعراء بعد قوله: فأخرجناھم و أورثناھا بنی اسرائیل فھو نص فی استیلاء بنی اسرائیل علی ملك فرعون.

باادب گذارش ہے کہ اس بارہ میں اس کا نص ہونا ہی تو محل گفتگو ہے اور ثناھا میں ''ھا'' کی تفسیر یہ بھی تو ممکن ہے کہ جنات و عیون و کنوز مطلق صورت میں مراد لیے جائیں نہ کہ خاص فرعونیوں ہی کے جنات و عیون و کنوز، چنانچہ شام میں یہ سب چیزیں مل کر رہیں، پہلی تفسیر پر تاریخی حیثیت سے سخت اشکال وارد ہوتا ہے بنی اسرائیل کی بادشاہت اور حکومت ملک فرعون پر صدیوں بعد تک تاریخ سے بدرجہ ضعف بھی ثابت نہیں، تفسیر حقانی کی ایک عبارت سے میرے مفہوم کی پوری وضاحت ہوجائے گی، اس لیے اسے نقل کرتا ہوں: اس مقام پر اکثر لوگوں کو دھوکا ہوگیا ہے کہ اور ثناھا بنی اسرائیل ''ھا'' کی ضمیر کو فرعونیوں کے خاص جنات وعیون و کنوز و مقام کریم کی طرف پھرایا ہے اور اس کی تفسیر میں کہہ دیا ہے کہ فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد ان کے باغوں اور عمدہ مقامات کے بنی اسرائیل پھر لوٹ کر آ کر مالک ہوگئے تھے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوئی کس لیے کہ تمام اہل تاریخ اس پر متفق ہیں کہ دریائے قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل چالیس برس تک تیہ میں ٹکراتے پھرے مصر میں واپس نہ آئے اور نیز اس فرعون کے بعد دوسرا فرعون تخت مصر پر بیٹھا ہے۔

ان کی سلطنت کا خاتمہ بابل کے بادشاہ کے ہاتھ سے سینکڑوں برس بعد ہوا۔ صحیح توجیہ جیسا کہ بیضاوی فرماتے ہیں یہ ہے كذالك اومثل ذالك المقام الذى كان لهم على انه صنعة مقام اس تقدیر پر معنی صاف ہوگئے کہ ایسے مقامات کا ہم نے بنی اسرائیل کو وارث یعنی مالک کردیا یعنی ملک شام اور فلسطین میں ان کو بھی ہم نے ویسے ہی عمدہ مقامات اور باغ اور چشمے اور خزانے عطا کئے جیسا کہ فرعونیوں کے پاس تھے اور ان سے نکال کر ہم نے ان کو دریائے قلزم میں غرق کیا۔ خلاصہ یہ کہ ان عمدہ مقامات سے ان کو نکالا اور ایسے عمدہ مقامات بنی اسرائیل کو عطا کئے۔

عبارت متن حقانی کی تھی، ایک طویل حاشیہ میں ایسے مضمون کی اور زیادہ صراحت کی ہے۔

(۱) الجواب فى روح المعانى قوله فى البقرة اهبطوا مصرًا:

وحكى عن أشهب أنه قال: قال لى مالك: هى مصر قريتك مسكن فرعون- فهو إذا علم- وأسماء المواضع قد تعتبر من حيث المكانية فتذكر، وقد تعتبر من حيث الأرضية فتؤنث، فهو- إن جعل علما- فإما باعتبار كونه بلدة، فالصرف مع العلمية، والتأنيث لسكون الوسط، وإما باعتبار كونه- بلدا- فالصرف على بابه، إذ الفرعية الواحدة لا تكفى فى منعه، ويؤيد ما قاله الإمام مالك رضى الله تعالى عنه أنه فى مصحف ابن مسعود مصر بلا- ألف بعد الراء-

وفيه: سورة الشعراء قوله تعالى: وأورثناها بنى اسرائيل:

"قال الواحدى: إن الله تعالى رد بنى إسرائيل إلى مصر بعد ما أغرق فرعون وقومه فأعطاهم جميع ما كان لقوم فرعون من الأموال والعقار والمساكن، وعلى غير هذا الوجه يكون (أورثنا) عطفا على (أخرجنا) ولا بد من تقدير نحو فأردنا إخراجهم وإيراث بنى إسرائيل ديارهم فخرجوا وأتبعوهم انتهى، ويفهم من كلام بعضهم أن جملة أَوْرَثْنَاهَا إلخ معترضة بين المعطوف

والمعطوف عليه في جميع الأوجه، وما ذكر عن الواحدي من أن الله تعالى رد بني إسرائيل إلى مصر بعد ما أغرق فرعون وقومه ظاهره وقوع ذلك بعد الغرق من غير تطاول مدة. وأظهر منه في هذا ما روي عن الحسن قال: كما عبروا البحر ورجعوا وورثوا ديارهم وأموالهم ورأيت في بعض الكتب أنهم رجعوا مع موسى عليه السلام وبقوا معه في مصر عشر سنين، وقيل: إنه رجع بعضهم بعد إغراق فرعون وهم الذين أورثوا أموال القبط وذهب الباقون مع موسى عليه السلام إلى أرض الشام. وقيل: إنهم بعد أن جاوزوا البحر ذهبوا إلى الشام ولم يدخلوا مصر في حياة موسى عليه السلام وملكوها زمن سليمان عليه السلام، والمذكور في التوراة التي بأيدي اليهود اليوم صريح في أنهم بعد أن جاوزوا البحر توجهوا إلى أرض الشام وقد فصلت قصة ذهابهم إليها وأكثر التواريخ على هذا وظواهر كثير من الآيات تقتضي ما ذكره الواحدي والله تعالى أعلم

وفيه: سورة الدخان: قوله تعالى وأورثناها قوماً آخرين:

والمراد بالقوم الآخرين بنو إسرائيل وهم مغايرون للقبط جنساً وديناً. ويفسر ذلك قوله تعالى في سورة (الشعراء: 59) كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وهو ظاهر في أن بني إسرائيل رجعوا إلى مصر بعد هلاك فرعون وملكوها وبه قال الحسن. وقيل: المراد بهم غير بني إسرائيل رجعوا إلى مصر بعد هلاك فرعون وملكوها وبه قال الحسن. وقيل: المراد بهم غير بني إسرائيل ممن ملك مصر بعد هلاك القبط وإليه ذهب قتادة قال: لم يرد في مشهور التواريخ أن بني إسرائيل رجعوا إلى مصر ولا أنهم ملكوها قط وأول ما في سورة الشعراء بأنه من باب وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ (فاطر: 11) وقولك: عندي درهم ونصفه فليس المراد خصوص ما تركوه بل نوعه وما يشبهه، والإيراث: الإعطاء وقيل: المراد من إيراثها إياهم تمكينهم من التصرف فيها ولا يتوقف ذلك على رجوعهم إلى مصر كما كانوا فيها أولا، وأخذ جمع بقول الحسن وقالوا لا اعتبار بالتواريخ وكذا الكتب التي بيد اليهود اليوم لما أن الكذب فيها كثير وحسبنا كتاب الله تعالى وهو سبحانه أصدق القائلين وكتابه جلّ وعلا مأمون من تحريف المحرفين.

ان عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس باب میں اقوال مختلف ہیں اور ان کے راجح مرجوح ہونے میں بھی اختلاف ہے میری تفسیر بعض اقوال پر مبنی ہے جس میں امام مالک اور واحدی اور حسن بھی متفق ہیں اور صاحب روح المعانی نے ظاہر الفاظ آیات کا مدلول اسی کو قرار دیا ہے اور تاریخ یہود کی حجیت کا انکار کیا ہے مگر ظاہر کا نص ہونا لازم نہیں، اس لیے دوسرے قول کی بھی گنجائش ہے اگر دوسرے قول کو لیا جائے تو جعلکم ملوکًا کا حمل مجاز پر ضروری ہے میرے نزدیک ایک فیصلہ یہ ہے کہ اپنے لیے تو مالک اور حسن کا قول لینا احسن ہے اور مخالفین کے لیے قتادہ کا قول لینا مناسب ہے اب دونوں راہیں کشادہ ہیں میں نے سابق جواب مجمل طور پر

آیات کودیکھ کر لکھ دیا تھا ان کو ظاہر پر محمول کر کے اور اس وقت تفاسیر کو دیکھ کر کسی قدر مفصل لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم (نقوش ۴۰۹)

۲۱...(م) ص ۱۴۳ ج ۳ سورہ مائدہ کی آیت و جعل منھم القردۃ والخنازیر کا ترجمہ ان کو سور اور بندر بنادیا،، درج ہوا ہے مگر یہ ترجمہ تو جعلھم کا ہوا نہ کہ جعل منھم کا، من کی رعایت ''شاہان دہلی'' کے تینوں ترجموں میں ملتی ہے۔

(ا) یہی صحیح ہے۔ اگر چہ اس پر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کیا بعضے باوجود لعن وغضب کے اس سزا سے محفوظ رہے اور کیوں؟ اور گو میرا ترجمہ من کے زائد مان لینے پر صحیح ہو سکتا ہے لیکن میں اس توجیہ کو اپنے ترجمہ کے لئے اس لئے پسند نہیں کرتا کہ اس وقت اگر یہ بنیاد میرے ذھن میں ہوتی تو حسبِ عادت تفسیر میں اس سے تعرض ضرور کرتا۔

رہا سوال مذکور سو اسکا جوابِ کافی روح المعانی میں مل گیا۔ای مسخ بعضھم قردۃ و ھم اصحاب السبت و بعضھم خنازیر و ھم کفار۔اب اس کا ترجمہ اس طرح بدلتا ہوں: ان میں سے بعضوں کو بندر اور سور بنادیا۔(نقوش ص ۵۸۴)

۲۲...(م) مفسرین نے لکھا ہے کہ قردۃ سے اشارہ اصحاب السبت یعنی یہود کی جانب ہے اور خنازیر سے مراد اصحاب مائدہ یعنی عیسائی ہیں۔تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا واقعی کب اور کہاں پیش آیا؟ اصحاب السبت کے لئے تو یہ سوال ہلکا رہتا ہے اس لئے کہ اس دور کی تاریخ اتنی منضبط نہیں لیکن عیسائیوں کا دور تو عینِ تاریخی دور ھے۔اور حضرت مسیح کے بعد سے تاریخ مرتب اور مدون موجود ہے۔کیسے ممکن ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کا ذکر تاریخ میں درج نہ ہو۔

(ا) اگر اس شبہ کو وقعت دی جائے تو قرآنی خوارق کا سب کا انکار کرنا پڑے گا کس کس کو تاریخ سے ثابت کیا جائے گا۔

(م) میں نے اپنے حاشیہ میں پہلے تو وہی قول جمہور نقل کیا ہے اس کے بعد راغب کے مفردات القرآن کے حوالہ سے عبادتِ ذیل لکھ دی ہے۔لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ نسخ معنوی ہوا تھا۔صوری نہیں، یعنی اخلاق وخصائل خنزیری پیدا ہو گئے لیکن اجسام وابدان انسانی ہی رہے جیسا کہ اسی طرح کی روایت حضرت مجاہد تابعی سے اصحاب السبت کے متعلق بھی منقول ہے۔راغب صاحب، مفردات القرآن، زیر عنوان خنزیر لکھتے ہیں۔قولہ تعالے و جعل منھم القردۃ و الخنازیر قیل عنی الحیوان المخصوص و قیل عنی من اخلاقہ و افعالہ مشابھۃ باخلاقھا لا من خلقتہ خلقتھا والاکرام المرادان بالایۃ فقد روی آن قوما مسخوا خلقتہ و کذا ایضاً فی الناس قوم اذاعتبرت اخلاقھم وجدوا کالقردۃ والخنازیر وان کانت صورھم صور الناس۔

پس اس قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہے خود کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ارشاد ہو یہ عمل کیسا ہے؟

ایسے اقوال تو ہر واقعہ میں ملیں گے۔تو کیا ایسے اقوال سے ان صحیح و مسلم اور عقلی قواعد کو مثلاً النصوص تحمل علی ظواھرھا اور مثلاً لا یصار الی المجاز الا تعذرت الحقیقۃ اور مثلاً الناطق یقضی علی الساکت اور علاوہ ان قواعد کے خود الفاظِ قرآن اس تاویل کو مستبعد بتلا رہے ہیں۔مثلاً لفظ جعل لغت تغییر پر دال ہے تو اس کا مفعول ثانی ایسی ہی چیز ہو سکتا ہے جو پہلے کے خلاف ہو اور قردۃ وخنازیر بالتاویل تو وہ خود ہی ہو چکے تھے اس میں جعل کے کیا معنی۔اس جعل کا تو یہ حاصل ہوا کہ جعل القردہ قردۃ و جعل الخنازیر خنازیر یا یہ عبارت دیگر جعل الخبیثین خبیثین۔کیا اس کلام میں بے معنی ہونے کا شبہ تو یہ نہیں ہو سکتا جو کلام اللہ سے نہایت مستبعد ہے۔نیز وہ جب خود خبیث ہو چکے تھے ان کو خبیث بنانے کے

کیا معنی؟ نیز سورہ بقرہ میں ہے: فجعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا وموعظة للمتقین۔
سو سزا پر نکال اور موعظت صادق آتا ہے۔ مگر عقائد اور اخلاقِ فاسدہ خود موجب سزا ہے نہ کہ سزا۔ غایت فی الباب ایسی تاویل کو نص کی تکذیب نہ کہیں گے، لیکن کیا بدعت بھی نہ کہیں گے۔ اگر شبہ کیا جائے کہ بعض سلف کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے سو بدعت اجتہادی محل وعید نہیں۔ ورنہ اگر اس تاویل کو سنت میں داخل کیا جائے گا تو جمہور کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے۔ اب دیکھ لیا جائے کون اسہل ہے۔ میری تفصیلِ مذکور سے فیصلہ خود ہی کر لیا جائے۔ (نقوش از ص ۵۷۴ تا ۵۷۶)

(م) اب صورت یہ خیال میں آئی ہے کہ پہلے تو وہی قولِ جمہور ہو پھر قول راغب اور پھر اس کی تضعیف کے لیے آگے لکھ دیا جائے کہ "لیکن محققین کا قول یہ ہے کہ (یہاں جناب والا کی عبارت ملخصاً دے دی جائے)

(ا) ماشاء اللہ نہایت جامع حدود رعایت تجویز ہے۔

(م) اس سے ان شاء اللہ وہی قولِ جمہور کا راجح وقوی ہونا ظاہر ہو جائے گا۔۔۔ (ا) بالکل صحیح ہے۔ (نقوش: ص ۵۷۷)

۲۳۔۔۔ (م) ص ۶۳ ج ۳ یا اولی الالباب کا ترجمہ چھوٹ گیا۔

(ا) اس طرح بنا دیا "ڈرتے رہو اے عقل والو" (نقوش ص ۵۷۷)

۲۴۔۔۔ (م) ص ۶۸ ج ۳ الشھادتنا احق من شھادتھما، یہاں شہادت کا ترجمہ قسم سے فرمایا گیا ہے اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔۔۔۔۔ (ا) صراح اور قاموس میں تصریح ہے کہ اشھد کے معنی احلف ہیں اور روح المعانی میں حضرت ابنِ عباس سے اس کے معنی یمین کے نقل کیے ہیں۔ نقوش۔۔۔۔۔

۲۵۔۔۔۔ (م) ص ۳۸، ج ۳، س ۱، شروع سورہ میں شمار آیات میں بجائے مأتہ خمس و ستون کے مأتہ ست و ستون ہونا چاہیے۔

(ا) یہ غلطی نہیں، اقوال کا اختلاف ہے۔ دونوں قول ہیں۔ بیضاوی نے قول اوّل اختیار کیا ہے۔ (نقوش ص)

۲۶۔۔۔ (م) ص ۸۶ ج ۳ بل بدا لھم ما کانوا یخفون من قبل۔ اس پر آپ ہی کے قلم کا عربی حاشیہ ہے عبر بالاخفاء اشارةً الی ان قلوبھم کانت تصدق الخ۔ میرے دل کو یہی مضمون بہت لگا لیکن ترجمہ اور تقریر ترجمہ کو پڑھ کر کسی کا ذہن اس طرف نہ جائے گا۔ میری فہم ناقص میں یہ حاشیہ والا مضمون متن میں آنا چاہیے تھا۔

(ا) اس کا طریقہ سمجھ میں نہیں آیا آپ پوری عبارت بنا کر بتلا دیجیے تاکہ غور کر سکوں۔ (نقوش، ص ۵۲۴)

۲۷۔۔۔ (م) ص ۵۹ ج ۳ من ربہ کا ترجمہ رہ گیا۔

(ا) اس طرح بنا دیا "کوئی معجزہ ان کے رب کی طرف سے" (نقوش ص ۵۷۸)

۲۸۔۔۔۔ (م) ص ۹۵ ج ۳ انذر بہ کا ترجمہ رہ گیا۔۔۔۔۔ (ا) اس طرح بنا دیا "ایسے لوگوں کو آئی ہو وحی (یعنی قرآن) کے ذریعہ سے ڈرائیے" اور تفسیر میں یہ عبارت لفظ "کفر" سے بڑھا دی گئی۔ (نقوش: ص ۵۷۸)

۲۹۔۔۔۔ (م) ص ۱۰۳ ج ۳ س ۱، فی حدیث غیرہ ترجمہ، کوئی اور بات، درج فرمایا گیا ہے۔ مفہوم تو بے شک اس سے ادا

ہو گیا۔ لیکن یہ صاف نہ ہوا کہ ضمیر مذکر واحد غائب کس لفظ کی جانب ہے۔ اسم اس کے قریب تو صرف ''آیات'' آیا ہے۔

(ا) آیات ہی (کی) طرف ہے۔ یہ تاویل حدیث یا قرآن کافی روح المعانی اب اس طرح ترجمہ کر دیا" یہاں تک کہ وہ اس بات (یعنی قرآن) کے علاوہ" (نقوش: ص ۴۵۱)

۳۰...(م) ص ۱۰۶ ج ۳ س ۵ متن حنیفا کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ (ا) تفسیر میں ہے" یکسو ہو کر" جو غلطی سے قوسین کے اندر لکھ دیا۔ اس لئے ترجمہ میں نہیں لیا گیا۔ اب قوسین سے باہر کر دیا گیا۔ (نقوش ص ۴۷۸)

۳۱...(م) ص ۱۰۴ ج ۳ یا قوم کا ترجمہ رہ گیا۔

(ا) اس طرح بنا دیا گیا" فرمایا اے میری قوم بے شک" (ص ۵۷۸)

۳۲...(م) ص ۱۰۷ ج ۳، انی وجهت وجهی الآیه حنیفا کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(ا) تفسیر میں یہ غلطی ہوئی کہ اس کے ترجمہ کو بین القوسین کر دیا۔ ناقل نے بین القوسین دیکھ کر ترجمہ سے خارج کر دیا۔ اس کی یہ عبارت ہے" میں سب طریقوں سے یکسو ہو کر اپنا رخ" الخ یہ حنیفا کا ترجمہ ہے۔ دونوں طرف کے قوس کاٹ دینا چاہیے۔ بس ترجمہ متن میں رہ جائے گا۔ (نقوش: ص ۴۲۴)

۳۳.....(م) ص ۱۰۹ ج ۳ س ۱ حکیم علیم کا ترجمہ" بڑا علم والا، بڑا حکمت والا" درج ہے۔ یہ قلب ترتیب قصداً فرمایا گیا ہے یا مخصوص سہو کتابت ہے۔.........(ا) سہو ہے اور سہو بھی میرا۔ (نقوش: ص ۴۵۲)

۳۴....(م) ص ۱۱۱ ج ۳ وما قدروا الله حق قدره اذ قالوا ما انزل الله الخ۔ اس پوری آیت کی تفسیر خوب دل نشیں نہ ہوئی۔ دوسری تفاسیر سے مراجعت کے بعد بھی شرح صدر خاطر خواہ نہ ہوا۔ ما انزل الله علی بشر۔ یہ قول تو بظاہر مشرکین کا معلوم ہوتا ہے کہ وہی سرے سے سلسلہ وحی کے منکر تھے۔ یہود اس سے یکسر انکار کیسے کر سکتے تھے۔ شان نزول کی روایات تو چنداں قوی ہوتی نہیں۔ البتہ اعتراض کا جو جواب قرآن مجید نے دیا ہے اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ قول یہود کا تھا۔ ایک خیال یہ بھی آیا کہ قول مشرکین ہی کا ہوگا اور جواب الزامی بھی انہی کے مقابلے میں ہے۔ اس لئے یہود کے صاحب کتاب ہونے کے وہ بھی قائل تھے لیکن تجعلونه قراطیس اور تبدونها اور تخفون کثیراً کی سرگونہ تصریح نے اس خیال کو بھی جمنے نہ دیا اس لئے کہ یہ تینوں اعمال تو یقیناً یہود ہی کے تھے بہت حال ابھی تک حیص بیص میں پڑا ہوں۔

(ا) اس اشکال کا احساس مجھ کو بھی ہوا مگر میں نے تفسیر میں اسی کو ترجیح دی کہ یہ یہود کا ہے اس پر دو اشکال واقع ہوئے ایک یہ سورہ مکی ہے اور یہود سے مناظرہ مدینے میں (اس کا جواب) عربی حاشیہ میں دیا گیا: اجیب باستثناء هذه الآیات من المکیة کما أخرج ابو الشیخ الخ وفی تفسیر الخازن: عن ابن عباس: نزلت سورة الأنعام بمکة إلا ست آیات منها قوله: وَما قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ فإنها نزلت بالمدینة، دوسرا اشکال یہ کہ یہود ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اس کا جواب تمہید میں دیا گیا بقولی ''جوش میں آکر'' اور عربی حاشیہ میں اس کی مزید تفصیل کی گئی: وفی القصة أن مالك بن الصیف لما سمعت الیهود منه تلك المقالة عتبوا علیه وقالوا: ألیس الله أنزل

التوراة علی موسی فلم قلت ما أنزل الله علی بشر من شیء؟ فقال مالك بن الصیف: أغضبنی محمد فقلت ذلك. فقالوا له: وأنت إذا غضبت تقول علی الله غیر الحق؟ اس سے اقرب کوئی توجیہ ذہن میں نہیں آئی اور اس میں کچھ بعد بھی نہیں چنانچہ قرآن مجید میں اس کی ایک نظیر یہود سے منقول ہے:

من قوله تعالیٰ: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا۔

اس تحریر کے بعد ایک اور توجیہ اقرب ذہن میں آئی جس میں نیشاپوری سے کچھ مدد ملی، روایات میں ہے کہ جس یہودی نے یہ بے ہودہ بات کہی تھی اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

أنشدك بالذی أنزل التوراة علی موسی هل تجد فیها إن الله یبغض الحبر السمین وكان حبرا سمینا فغضب وقال ما أنزل الله علی بشر من شیء، أورده ابن جریر بسنده عن سعید بن جبیر.

اس پر نیشاپوری نے ایک قول نقل کیا ہے:

"وقیل: اللفظ وإن كان مطلقا بحسب اللغة إلا أنه مقید بحسب العرف بتلك الواقعة. فكأنه قال: ما أنزل الله علی بشر من شیء فی أنه یبغض الحبر السمین۔ الخ۔ اب تو اس میں یہ بعد نہ رہا کہ یہود ایسی بات کیونکر کہہ سکتے تھے، البتہ ایک اور اشکال واقع ہوتا ہے جس کو نیشاپوری نے بلاجواب نقل کیا ہے: بقوله: ویرد علی هذا التوجیه أن قوله مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ لا یكون مبطلا لكلام الخصم.

مگر الحمدللہ میرے ذہن میں اس کا جواب آ گیا، وہ یہ کہ گو نیت قائل کی تقلید کی ہو لیکن لفظ میں اطلاق جو دال ہے عموم پر خود خلافِ دین ہے اور صیغہ مستلزم ہے مطلقاً انزل کی نفی پر اور تنبیہ ہے اس کلام مطلق کی شناعت پر، اس کی نظیر یہود کا وہ قول ہے: ان الله فقیر و نحن اغنیاء کہ انہوں نے یہ قول گو بطور الزام کہا تھا مگر یہ قول بلفظہ دلالت علی الالزام میں کافی نہیں بلکہ دال ہے دعوے پر اس لیے اس پر تشنیع کی گئی، ذكرته فی رسالتی الخطاب الملیح۔ (نقوش، ۴۵۲، ۴۵۳)

۳۵...(م) ص۰ ۱۳، ج ۲، س ۴، قتل اولادھم کے ترجمہ میں "اپنی اولاد کے قتل کرنے" اپنی سے التباس معبودوں کی اولاد کا ہوتا ہے ان کی ہوتا تو صاف تھا۔

(۱) یہ محاورہ کی عدمِ مہارت کے سبب واقع ہوا، ذہن میں دوسری عبارت سے خلط ہوا جو اس کا حاصل ہے وہ دوسری عبارت یہ ہے کہ ان شرکاء نے ان کے خیال میں اس امر کو مستحسن بنا دیا کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر دیں، اس عبارت میں لفظ "ان" شاید موزوں نہ ہوگا، ذہن میں اس سے خلط ہو گیا لیکن محاورہ کی صحت مرجع ہے جس لفظ میں ہو۔ (نقوش ۴۲۹)

۳۶....(م) ص ۱۳۲، ج ۲، س ۴، لیضل الناس بغیر علم، بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے تا کہ ان لوگوں کو گمراہ کرے "اس ترجمہ میں بغیر علم کا تعلق افتراء سے معلوم ہوتا ہے اکثر حضرات نے بغیر علم کو اضلال سے متعلق کیا ہے۔

(۱) توجیہیں دونوں صحیح ہیں، یاد نہیں اس وقت اس کی ترجیح ذہن میں کسی بناء پر آئی، اس وقت روح المعانی کو دیکھا، دونوں احتمال لکھ کر اول کو ترجیح دی ہے، شاید وجہ ترجیح کی یہ ہو سکے کہ ذوق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قید بغیر علم کلام کی تائید کے لیے

بڑھائی گئی، سوافتراء کی تو ماہیت سے دلیل کا انتفاء مفہوم ہوتا جو حاصل ہے بغیر علم کا، اس لیے اس کے لیے تاکید ہونا اوضح ہے اور اضلال کی ماہیت سے دلیل کا انتفاء مفہوم نہیں ہوتا، گو دلیل خارجی سے اس انتفاء کا لزوم ثابت ہو تو اس کا اس کے لیے تاکید ہونا اوضح نہیں، واللہ اعلم، باقی یہ سب تنبیہات میں درج کر دیا جائے گا ناظرین کو ترجیح کا اختیار ہے۔ (نقوش،۴۳۰)

بعض اطلاعاتِ ضروریہ

(ا) آپ کے سابق جواب میں لیضل الناس بغیر علم کے متعلق کچھ لکھا تھا مگر لکھنے کے بعد ذہن اس سے خالی نہیں ہوا ہے۔ ۱۶ر ذیقعدہ کو قرآن مجید کا ایک دوسرا مقام یاد آ گیا۔ جہاں بغیر علم یقیناً لیضلونھم کے متعلق ہے۔ وہ آیت یہ ہے:
لیحملوا اوزارھم کاملة یوم القیٰمة ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم (سورت النحل خاتمہ رکوع ۳)
اس بناء پر روح المعانی کی ترجیح مذکور اور میری توجیہ مذکور مخدوش ہو گئی۔ (نقوش ص:۴۳۰)

۳۷...(م: ص ۱۳۳، ج ۳ س ۳) "ذِی ظُفُر کا ترجمہ "ناخن والے جانور" سے فرمایا گیا ہے، یہ لفظ بھی ذرا کھٹکا، ناخن تو سب ہی جانوروں کے ہوتے ہیں، صاحب حقانی نے کھر والے جانور سے کیا ہے، اور توریت میں اس موقع پر "چرے ہوئے کھر" ہے۔......(ا) حضرات شاہان دہلی نے "ناخن" ہی سے فرمایا ہے، میں نے تفسیر میں اس کی مراد بھی لکھ دی ہے، باقی محاورہ بدل گیا یا ان حضرات نے بھی محاورہ کی پرواہ نہ کی ہو اس کا مجھے علم نہیں۔ (نقوش ص ۴۲۹)

۳۸...(م: ص ۱۳۶، ج ۳، س ۳) لرزقکم وایاھم "ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے" اس عبارت میں ترتیب ضمائر میں، کہیں قلب تو نہیں ہو گیا ہے؟

(ا) یقیناً قلب ہوا جو واجب الاصلاح ہے۔ (نقوش، ص ۴۲۹)

۳۹...(م: ص ۱۳۸ ج ۳ پر) [بینة] کا ترجمہ ایک کتاب واضح سے فرمایا گیا ہے، یہ تفسیر تو بیشک صحیح ہے، لیکن ترجمہ تو شاید "نشان واضح یا "دلیل واضح" ہوتا ہے۔

(ا) لغت کا مقتضاء تو یہ ہے کہ [بینة] کا ترجمہ صرف "واضح" ہے، باقی اس کے ساتھ مع موصوف نکالا جاوے، خواہ [نشان یا دلیل] یہ ترجمہ سے زائد ہے، جزء ترجمہ نہیں، تو اس میں سب الفاظ برابر ہیں، بعض نے ایسا توسع کیا ہے کہ موصوف ہی کو ترجمہ کے، قائم مقام کر دیا ہے جیسا حضرات شاہان دہلی نے کیا(۱) ہے، سب میں گنجائش ہے۔ (نقوش ص ۴۲۸)

۴۰....[م] ص ۱۳۸ ج ۳ [کذب بآیات اللہ] کا ترجمہ "ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتلا دیا" درج ہے، [آیات اللہ] کا ترجمہ تو بظاہر صرف "اللہ کی آیتوں" ہونا چاہئے۔...........(ا) واقعی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (نقوش ص ۴۲۸)

۴۱...(م) ص ۱۳۹ ج ۳ س ۱ [او یاتی ربك] کا ترجمہ "یا ان کے پاس آپ کا رب آوے" درج ہے، اس میں ان کے پاس کی عبارت محض تفسیری معلوم ہوتی ہے۔........(ا) واقعی ایسا ہونا چاہئے۔ (نقوش ص ۴۲۸)

مقامات جلد رابع

۴۲....(م) ص ۳۴ ج ۳ س ۴ [لما جاء تنا] اس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(ا) متن وتفسیر دونوں میں بڑھا دیا اس عبارت سے "جب وہ احکام ہمارے پاس پہنچے"۔ (نقوش ص ۴۳۱)

۴۳....(م) ص ۳۷ ج ۴ تفسیر س ۵ "کثرت بارش کا طوفان طوفان کی تفسیر میں تو متعدد اقوال آئے ہیں، اگر یہاں بھی کسی قدر مبہم وغیر متعین ہی رکھا جائے تو تاریخ سے قریب تر ہے۔

(ا) میں نے زیادہ شہرت کو مرجح سمجھا زیادہ شہرت کی روح المعانی میں تصریح ہے، یہ احسن ہے کہ ترجمہ مبہم ہے اور اس پر حاشیہ ہو جائے کہ اس تفسیر میں متعدد اقوال ہیں، زیادہ مشہور طوفان آب ہے۔ (نقوش ص ۴۳۱)

۴۴...(م) ص ۴۷ ج ۴ ترجمہ س ۵ "دریائے شور [بحر] کا ترجمہ اگر "مطلق دریا یا سمندر سے کیا جائے تو جغرافیہ ست اقرب ہو جائے، گو کوئی خاص اعتراض اب بھی نہیں ہوتا.....(ا) یہاں بھی اس سے زیادہ شہرت کو مرجح سمجھا گیا، اور شہرت مشہور ہے، یہاں بھی احسن ہے کہ ترجمہ مطلق رہے اور حاشیہ یہ ہو جائے کہ مطلق دریا بھی مراد ہو سکتا ہے، اور زیادہ اطلاق دریائے شور پر آتا ہے، تاریخ سے تحقیق کر لی جائے۔ (نقوش ص ۴۳۱)

بعض اطلاعات ضروریہ: نمبر ۲: غالباً اسی خط میں [فارسلنا علیھم الطوفان] الی آخرہ کے معانی، تعددہ میں سے طوفان آب کی ترجیح کی بناء میں نے اسی معنی کی عبارت شہرت کو لکھا تھا اس کے بعد ایک وجہ مرجح اور ذہن میں آئی وہ یہ ہے کہ خود قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ہے [فاخذھم الطوفان] الخ: (عنکبوت شروع رکوع ۲) (نقوش ص ۴۳۶)

۴۵....(م) ص ۴۸ ج ۴ متن س ۱ پر [بما کانوا یفسقون] اس کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ (۱)۔

(ا) کاتب نے اس کے ترجمہ کو بین القوسین کر دیا وہ ترجمہ یہ ہے "ان کی اس عدول حکمی کے سبب" اور تماشہ یہ ہے کہ لفظ "ان کی" قوسین سے خارج لکھا، حالانکہ مجرد اس کلمہ کے کوئی معنی نہیں۔ (نقوش ص ۴۳۲)۔

۴۶....(م) ص ۵۳ ج ۴ س ۳ اس حال [القصص] کے ترجمہ میں صیغہ واحد کو کیوں اختیار فرمایا گیا؟

(ا) یہ لفظ اصل میں واحد ہی ہے، چنانچہ اسی صفحہ کے عربی حاشیہ میں اس کو بیان کیا گیا ہے ایک بڑا عمدہ قصہ اور سورۃ یوسف کے آخر میں جو [قصصھم] سے شبہ جمع کا ہو سکتا تھا، اس شبہ کو عربی حاشیہ میں اس عبارت سے رفع کیا گیا ہے "اشارۃ الی کونہ مصدرًا المعنی المقصوص ای جنسہ الشامل للجمیع"۔ (نقوش ص ۴۳۲)

۴۷....(م) ص ۵۷ ج ۴ س ۲ "بشارت دینے والا اور ڈرانے والا" اس عبارت میں قلب تو نہیں ہو گیا؟

(ا) یقیناً قلب ہو گیا، یادداشت میں تنبیہ کر دی گئی۔ (نقوش ص ۴۳۲)

۴۸....(م) ص ۵۷ ج ۴ تفسیر س ۱۲ "اس کا ظہور" لفظ اس کا مشار الیہ صاف نہیں کھلتا، اگر لفظ مصلحت، یا جہاد، یا معرکہ قتال قوسین میں بڑھا دیا جائے تو مطلب واضح ہو جائے گا۔

(ا) چونکہ اس کے قریب ہی لفظ حق بہ معنی مصلحت مذکور ہے اور کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس ضمیر کا مرجع بن سکے اس لئے ترجمہ کو کافی سمجھا گیا، اب زیادہ توضیح کے لئے لفظ مصلحت بین القوسین بڑھا دیا۔ (نقوش ص ۴۳۲)

۴۹....(م) یہود عقیدہ عزیر ابن اللہ سے اپنی بالکل تبری کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر خواہ مخواہ تھوپ دیا گیا ہے، یہ مشرکانہ عقیدہ خالص مسیحی قسم ہے، ہمیں اس سے مس نہیں، میرے ذہن ناقص میں یہ جواب آیا ہے کہ ولد اور ابن دونوں کے مفہوم میں فرق ہے لغوی حیثیت سے بھی اور محاورہ قرآن وتورات میں بھی، ولد کا اردو ترجمہ بیٹا یعنی صلبی اولاد جیسا کہ مسیحی

حضرت مسیح کو ولد اللہ کہتے ہیں، ابن کے معنی وسیع تر ہیں جو فرزند معنوی ومجازی کو بھی شامل ہے، جیسے اردو میں لاڈلا اور چہیتا۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ اپنے کو ابناء اللہ۔ اسی معنی میں کہتے تھے یعنی ہمیں حضرت حق کے ساتھ وہ قرب خاصہ حاصل ہے جو اور کسی مخلوق کو نہیں، قرآن مجید نے ضلالت تو عقیدہ ولدیت اور عقیدہ ابنیت دونوں کو بتایا ہے لیکن ولدیت کو بالکل بجا طور پر مسیحیوں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، یہود کے ہاں حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق عقیدت کا غلو ضرور ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عملاً ہمارا کوئی تعلق نہ رہا، ان کے لائے ہوئے نوشتے جل کر برباد ہوگئے، اب تورات وغیرہ جو کچھ موجود ہے سب حضرت عزیر علیہ السلام کی مرتب کی ہوئی ہے، عملاً ہمارا تعلق انہی سے ہے، جس طرح ہمارے ہاں کے غالی اور جاہل مشائخ عملاً اپنا تعلق فلاں چشتی اور فلاں قادری بزرگ پر ختم کررہے ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھتے، نصاریٰ کہتے ہوں گے کہ مسیح کے سوا اور کسی کو نہیں جانتے، اور یہود کہتے ہونگے کہ ہم عزیر کے سوا کسی کو نہیں مانتے، آیت قرآنی میں کیا عجب کہ یہی مفہوم ادا فرمایا گیا ہو؟

(۱) میں نے جواب میں اسی توجیہ کی پسندیدگی عرض کی تھی، اور اس توجیہ کے خلاصہ کی جو خط کشیدہ عبارت میں ادا کیا گیا ہے تائیداسی آیت سے لکھی تھی [وقالت الیہود لیست النصاری علی شیء وقالت النصاری لیست الیہود علی شیء] اور یہ سب جب ہے کہ یہود کو اس تبری میں سچا سمجھا جائے، ورنہ ان کا کیا اعتبار، اور ممکن ہے کہ کوئی خاص فرقہ اس کا بھی قائل ہو پھر اس کا سلسلہ قطع ہوگیا ہو۔ (نقوش ص ۴۳۴)

۵۰...(م) ص ۱۲ ج ۴ متن س ۱ [فی الآخرۃ] کے معنی عنوان "البلاغة" کے تحت میں تو [فی جنب الآخرۃ] بالکل درست اور مناسب درج ہے لیکن ترجمہ میں کوئی لفظ نہیں ملا۔

(۱) یہ عبارت ترجمہ اور تفسیر دونوں میں بڑھادی گئی ہے "آخرت کے مقابلہ میں"۔ (نقوش ص ۴۳۴)

۵۱...(م) ص ۱۱۴ ج ۴ [انما یستاذنك الذین] میں [الذین] کا ترجمہ اگر بجائے "وہ لوگ" کے "وہی لوگ" کیا جائے تو کیسا ہے؟...(۱) بہت مناسب ہے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی کیا ہے۔ (نقوش ص ۴۳۴)

۵۲...(م) ص ۱۱۷ ج ۴ [ان تقبل منھم] میں [منھم] کا ترجمہ نہیں ملا: (۱) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نہیں کیا، ان کی عبارت یہ ہے "اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر اسی پر کہ وہ منکر ہوئے"، حضرت مولانا دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی نہیں لیا، غالباً محاورہ کی رعایت کو تحت اللفظ ترجمہ پر ترجیح دی ہے، تحت اللفظ سے مناسبت نہیں رہتی، اس سے گنجائش تو معلوم ہوگئی لیکن اگر سلاست کے ساتھ آجاوے تو احوط ہے، سوچوں گا۔ (نقوش ص ۴۴۳)

۵۳...(م) انّ، انّ کا ترجمہ اکثر مقامات پر رہ گیا، مثلاً ص ۱۱۸ س ۱ [انھم عنکم] کا ترجمہ یوں درج ہے "کہ وہ تم میں کے ہیں" اس میں اگر کہ اور وہ کے درمیان کوئی لفظ یقیناً یا ضرور یا بیشک بڑھادیا جائے تو شاید متن سے اقرب ہوجائے۔ اسی طرح ص ۱۲۹ ج ۴ پر متن کی آخری سطر میں انکم رضیتم میں ان کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(۱) یادداشت میں لکھ لیا گیا۔ غالباً بے شک کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔ (نقوش ص ۴۳۳)

۵۵...(م) ص ۱۲۱ ج ۴ س ۱ یحلفون باللہ۔ باللہ کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(۱) لفظ "سامنے" کے بعد یہ بنادیا "اللہ کی" (نقوش ص ۴۷۷)

۵۶...(م) ص ۱۲۹ ج ۴ س ۵ فاستاذنوك میں ک کا ترجمہ نہیں ملا۔

(ا) لفظ "آپ سے" لکھ دیا گیا۔ (نقوش ص ۴۳۴)

۵۷...(م) تفسیر میں (کیونکہ) قوسین کے اندر ہے کہیں یہ ناقل یا کاتب کی فروگذاشت تو نہیں؟

(ا) قوس سے باہر تو ظاہر نہیں ہو سکتا۔ کوئی لفظ قرآن میں ایسا نہیں جسکا یہ ترجمہ ہو سکے۔ (نقوش ۴۳۳)

۵۸...(م) ص ۱۳۵ ج ۴ س ۴ متن یحلفون لکم میں لکم کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

(ا) اسی طرح بنا دیا "تمہارے لیے" (نقوش ص ۵۷۹)

۵۹...(م) ص ۱۳۸ ج ۴ س ۱ متن من الاعراب کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

(ا) حولکم کے بعد اسی طرح بنا دیا گیا "گردو پیش والوں یعنی دیہاتیوں میں" (نقوش ص ۵۷۹)

۶۰...(م) عام طور پر مسلمانوں میں جو طریقہ شائع ہے کہ توریت وانجیل وغیرہ قرآن مجید ہی کی طرح کلام الٰہی ہیں، آخر اسکی شرعی بنیاد کیا ہے؟ ان کے نفس منزل من اللہ ہونے میں گفتگو نہیں۔ گفتگو صرف یہ ہے کہ مثل قرآن کے انکے بھی لفظ بہ لفظ منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ قرآن یا حدیث میں کہاں بیان کیا گیا ہے؟ میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ ان کا نزول صرف اجمالی حیثیت سے ہوا۔ یعنی بلحاظ معانی ومطالب بجز توریت کے ان احکام کے کہ جن کے بہ صورت الواح نازل ہونے کی صراحت قرآن مجید میں آچکی ہے۔ تفصیل یعنی لفظی وحرفی تنزیل صرف قرآن مجید کی ہوتی ہے۔ میں نے یہ رائے مستقلا قائم نہیں کر لی ہے لیکن ان کتب سابقہ کی شدید ترین کمزوریاں دیکھ کر خیال یہی پیدا ہو رہا ہے اور استفادۃً یہ خیال خدمت والا میں پیش کر رہا ہوں۔

(ا) اسی سوچ میں جواب میں بھی کئی روز کی تاخیر ہوگئی۔ آیات کو بہت سوچا کوئی آیت ذہن میں نہیں آتی جو اس بات میں اثباتا یا نفیاً نص ہو۔ تو جس طرح اثبات کا دعویٰ نہیں ہو سکتا اسی طرح نفی کا دعویٰ بھی نہیں ہو سکتا۔ دونوں احتمال برابر ہیں۔ ممکن ہے کہ الفاظ نازل ہوئے ہوں اور ممکن ہے معانی نازل ہوئے ہوں اور الفاظ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے ہوں۔ گو محفوظ نہ رہے ہوں تو اس بات میں انکا درجہ حدیث کا سا ہوگا اور اسکی بھی کہیں تصریح نہیں کہ الواح غیر ہیں توریت کے بلکہ ظاہراً الواح (۱) میں توراۃ ہی تھی۔ اگر اس ظاہر کو کافی سمجھا جائے تو توراۃ کی لفظی تنزیل ایک درجہ میں ثابت ہو جائے گی اگر کسی وقت اس سے زیادہ کوئی بات ذہن میں آئے گی عرض کروں گا۔ (نقوش ص ۴۰۳)

تتمہ: جواب سابق متعلقہ اتحاد توریت والواح اس کی تائید ایک آیت سے بھی ہوئی، قال اللہ تعالیٰ: [و کتبنا علیہم فیہا (ای فی التوراۃ) ان النفس بالنفس] یہاں سے توریت کا مکتوب ہونا ثابت ہے، اور پہلی آیت سے "الواح" کا مکتوب ہونا، پس ظاہر یہی ہے کہ دونوں متحد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (نقوش ص ۴۰۵)

(م) وحی قرآنی اور دوسری کتب آسمانی سے متعلق پچھلے عریضہ میں جو کچھ عرض کیا تھا اس سلسلہ میں ایک بات اور ذہن میں آئی، آیات قرآنی کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ قرآنی کے لئے قرآن مجید میں مصدر تنزیل آیا ہے، اور دوسری کتابوں کے لئے عموماً انزال یا اتیان۔ اگر کہیں لغت سے اس کی سند مل جائے کہ انزال عام ہے ہر القاء کے لئے، اور تنزیل مخصوص ہے وحی قرآنی کے لئے تو مسئلہ اور زیادہ صاف ہو جائے۔

(ا) شاید تلاش سے مل جائے، باقی مشہور فرق تو یہ ہے کہ "تفعیل" تدریج کے لئے ہے، اور "افعال" عام ہے قرآن مجید چونکہ تدریجاً نازل ہوا اس لئے اس کے لئے باب تنزیل وارد کیا گیا، بہ خلاف دیگر کتب کے، قرآن مجید یہ آیت اس

پر مبنی ہے [وقال الذین کفروا لولا أُنزِلَ علیه القُرآن جملة واحدة، کذلك لِنُثبِتَ به فؤادك ورتلناه ترتیلا]، دوسرے ''انزال'' جب دونوں کو عام ہے تو اس سے وحی لفظی کا جیسے اثبات نہیں ہوتا اس کی نفی بھی نہیں ہوتی، اور خط سابق میں کتب کا الواح و توراۃ ہر دو میں آنا لکھ چکا ہوں۔ واللہ اعلم (نقوش ص ۴۱۰)

مقامات جلد خامس

۶۱... (م) ص ۳ ج ۵ متن کی آخری سطر [اللهم] کا ترجمہ رہ گیا۔

(ا) اب اس طرح بنا دیا ''سبحان اللہ یا اللہ'' (نقوش ص ۵۷۹)

۶۲... (م) ص ۳ ج ۵ متن کی آخری سطر [فیها] کا ترجمہ رہ گیا ہے۔... (ا) اس سے قبل معلوم نہیں کس وجہ سے میرے ہاتھ کا بنا ہوا تفسیر کے نسخہ میں ملا، دونوں جگہ لفظ ''وہاں'' لکھا ہوا ہے، اب عبارت یوں ہو گئی ''ان کے منہ سے وہاں یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ؛ یا اللہ، اور ان کا باہمی سلام وہاں یہ ہوگا: السلام علیکم'' (نقوش ص ۵۷۹)

۶۳... (م) ص ۸ ج ۵ [مِن ربه] کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(ا) لفظ معجزہ کے بعد یہ عبارت (۱) بنادی ''ان کے رب کی طرف سے''۔ (نقوش ص ۴۷۷)

۶۴... (م) ص ۱۵ ج ۵ متن کی آخری سطر [شیئًا] کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

(ا) اب اس طرح بنا دیا ''لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا''۔ (نقوش ص ۵۷۹)

۶۵... (م) ص ۲۳ ج ۵ س ۴ متن [نطع] کا ترجمہ بجائے ضمیر جمع متکلم کے لفظ ''اللہ تعالیٰ'' کے ساتھ چھپا ہے۔

(ا) اس طرح بنا دیا ''مان لیتے ہم اس طرح'' (نقوش ص ۵۷۹)

۶۶... (م) ص ۲۹ ج ۵ حصہ تفسیری سطر ۱ ''اس وقت تو مصر کے مالک ہو گئے'' محل نظر ہے، مسئلہ تاریخ کا ہے، اور تاریخ سے مطلق تائید نہیں ہوتی۔ (ا) ص ۱۹ ج ۳ میں آیت کے متعلق ایسا ہی سوال کیا گیا تھا، اور اس کا بہت مفصل جواب لکھا گیا تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تفسیر ایک قول پر ہے اگر آپ کے کاغذات میں مل جائے ملاحظہ فرمالیں، اس وقت اس مقام پر حاشیہ لکھ دیا گیا ہے۔ (نقوش ص ۴۷۷)

۶۷... (م) ص ۳۷ ج ۵ س ۱ [نزعنها] میں ''ہا'' کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

(ا) ''چکھا کر'' کے بعد لفظ ''اس کو'' بڑھا دیا۔ (نقوش ص ۴۷۷)

۶۸... (م) ص ۴۰ ج ۵ س ۱ [علی بینة من ربه] میں ''بینة'' کی تفسیر میں تو گفتگو نہیں لیکن ترجمہ لفظ ''قرآن'' سے کرنا محل تردد ہے۔... (ا) اب یوں کر دیا ''جو ایک روشن دلیل (یعنی قرآن) پر''۔ (نقوش ص ۴۷۷)

۶۹... (م) ص ۴۳ ج ۵ ختم متن کے قریب [ان کنت من الصادقین] کا ترجمہ رہ گیا۔

(ا) اس طرح بنا دیا ''لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (نقوش ص ۵۸۱)

۷۰... (م) ص ۴۷ ج ۵ طوفان نوح کا عموم دل کو زیادہ نہیں لگتا۔... (ا) دل کو نہ لگنے کی بنا میں نظر کرنا چاہیے۔

(م) جب بعثت صرف الی قومہ تھی اور غرق ہونے والے حسب تصریح سورۃ یونس صرف مکذبین اور منذرین تھے تو طوفان کو قوم نوح تک کیوں نہ محدود رکھا جائے۔... (ا) اول ایک مقدمہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ بعثت خاصہ دوسرے انبیاء باعتبار

مجموعہ اصول وفروع کے ہیں باقی بعض اصول کے اعتبار سے سب کی بعثت عام ہے، چونکہ وہ سب شرائع میں متحد ہیں اسی لئے بعض آیات میں وارد ہے [كذب قوم نوح المرسلين] حالانکہ انہوں نے صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، اس کی وجہ وہی ہے کہ اتحاد اصول کے سبب ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے، بہرحال جب اصول میں بعثت عام ہے تو قوم کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ مخاطب اول وہی تھے اور دوسرے ان کے واسطے سے، اور جب بعثت عام ہے تو "مکذبین" اور "منذرین" بھی سب ہی کو عام ہوگا، اس لئے سب اہل ارض پر عذاب آنا مستبعد نہیں ہوگا، ہاں یہ ممکن ہے کہ خود ارض پوری اس وقت آباد نہ ہو، ارض جتنی آباد تھی طوفان اس کو عام تھا چنانچہ [لا تذر على الارض من الكافرين ديارا] ظاہراً اس پر دال ہے۔ نیز اگر بعض کفار اس وقت بچ جاتے تو ان کی نسل منقطع ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اور آیت [وجعلنا ذريته هم الباقين] سے یہ امر یقینی ہے، تو کیا عدم عموم کی شق میں یہ، بعد نہیں، نیز طوفان عام نہ ہوتا تو جانوروں کا ایک ایک جوڑا رکھنے کی کیا وجہ؟ اگر ایک بھی نہ رکھا جاتا تب بھی نسل منقطع نہ ہوتی۔ کیا یہ سب نہیں بعد کا عدم عموم کے قول میں۔

(م) اہل جغرافیہ وطبقات الارض نے عموم طوفان کا انکار شد ومد سے کیا ہے، لیکن وطن نوح میں اسکا وقوع بھی اسی شد ومد سے تسلیم کیا ہے۔..... (اہل جغرافیہ کے اس دعویٰ پر جو دلیل قائم کی گئی ہے اسکے مقدمات دیکھنے چاہئیں تاکہ ان میں نظر کی جاوے ورنہ تخمین محض تو قابل التفات نہیں۔ نیز اگر طوفان عام نہ ہوتا تو نوح علیہ السلام کو بجائے کشتی بنانے کے ہجرت ارض بعیدہ کا حکم کیا جانا کافی تھا۔ (نقوش ص ۴۷۹)

۷۱...(م) ص ۵۰ ج ۵ آخر متن ارسلت به اليكم میں اليكم کا ترجمہ رہ گیا۔

(ا) اب اسی طرح بنادیا" مجھ کو تمہاری طرف" (نقوش ص ۵۲۱)

۷۲...(م) ص ٦٦ ج ۵ س ۳ متن [ولو شاء ربك] میں "ربك" کا ترجمہ اللہ چھپا ہے۔

(ا) اسی طرح بنادیا" اور اگر تمہارے پروردگار کو" (نقوش ص ۵۸۱)

۷۳...(م) ص ٦٦ ج ۵ آخر میں عزیز کے سلسلے میں ہے کہ "یہ سلطنت مصر کے مدار المہام کا لقب ہوتا تھا اور نام اس شخص کا قطفیر ہے"۔ قطفیر تو مصری زبان میں عزیز ہی کا مترادف ہے اور عزیز گویا عربی ترجمہ ہے اس مصری لقب مدار المہام کا اردو توریت میں اس کا املاء فوطیفادیا ہوا ہے۔..... (ا) یاد نہیں میں نے کہاں سے لکھا مگر چونکہ مثبت مقدم ہوتا ہے نفی سے۔ اس لیے آپ کی تحقیق کو ترجیح ہوگی میری تجویز پر (نقوش ص ۵۷۱)

۷۴...(م) فرنگی محققین کا سرتاج نولڈیکی جرمن کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کی عربی کی دھوم مچی ہوئی ہے اس کا ایک ضخیم مقالہ قرآن مجید پر حال میں نظر سے گزرا اس ظالم نے اعتراضات تو متعدد کیے ہیں ایک اعتراض نیا دکھلائی دیا جو اس سے قبل کہیں نہ دیکھا تھا، خلاصہ حسب ذیل ہے: "بیرون عرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ملک مصر کی سرسبزی کو قرآن میں بارش کا نتیجہ بتایا ہے حالانکہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ مصر کو بارش سے کوئی واسطہ نہیں وہاں کی شادابی تو تمام ترطغیانی نیل کے اثر سے ہوتی ہے۔"...اعتراض سورۃ یوسف کی آیت عام فيه يغاث الناس پر ہے میں اپنے حواشی میں جواب دے رہا ہوں کہ:

(ا) اول تو یغاث کے معنی لازمی طور پر بارش ہی قرار دینا صحیح نہیں ہوسکتا ہے کہ بجائے غیث کے غوث سے ہو۔ اور معنی یہ

ہوں کہ لوگوں کی فریادرسی ہو۔ مصیبت سے نجات ملے۔ چنانچہ متعدد اہل لغت اور اہل تفسیر اس طرف بھی گئے ہیں اور راغب کے مشہور لغت مفردات قرآن میں دونوں معنوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ قولہ وان یستغیثوا فانه یصح ان یکون من الغیث ویصح ان یکون من الغوث و کذا یغاثوا یصح فیه المعنیان۔

(۲) دوسرے یہ کہ تصریح اہل مصر کی نہیں ہے۔ عام خلقت یا الناس کی ہے قحط صرف مصر میں نہیں اطراف و جوانب کے تمام ممالک میں پڑا تھا۔ یہ تاریخ سے بھی ثابت ہے قرآن بھی آخر شام و فلسطین کا ذکر کرتا ہے۔ پس اگر بارش دوسرے ملکوں میں بھی ہوجائے تو مفہوم قرآنی کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔

(۳) تیسرے ملک مصر سے نفی بارش کا بالکلیہ دعوی بھی صحیح نہیں۔ ان ہی فرنگی جغرافیہ نویسوں نے لکھا ہے کہ مصر کے فلاں علاقہ میں بکثرت بارش ہوتی ہے، فلاں علاقہ میں کمتر اور فلاں ریگستانی علاقہ میں بالکل نہیں اور یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ جہاں فراعنہ مصر کی حکومت تھی وہ وہی اوّل الذکر بارش والا خطہ تھا۔ یہ جوابات کافی نہ ہوں تو کچھ اور ارشاد فرمایا جاوے۔

(ا) ماشاء اللہ نہایت کافی جواب ہیں۔ اول جواب میں اسقدر عرض ہے کہ روایات میں غیث ہی سے کیا گیا ہے غوث کے قول کو کسی نے سلف سے نقل نہیں کیا۔ صرف روح المعانی میں قیل تمریض سے ذکر کیا ہے لیکن جواب کے لیے احتمال بھی کافی ہے اگر جی کو لگے تو ایک جواب اور بھی ہوسکتا ہے وہ یہ کہ قرآن مجید سے عادت مستمرہ تو معلوم نہیں ہوتی کہ مشاہدہ کا مصادم ہو، کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس سال بارش ہی سے پیداوار ہوئی ہو یا بارش سے نیل میں طغیانی ہوتی ہو، اگر یہ اصول طبعیہ کے خلاف نہ ہو اسکو بھی بڑھادیا جائے ورنہ حذف کردیا جائے۔ (نقوش ص ۳۹۱)

۷۵.....(م) قرآن مجید میں حضرت یوسف زبان سے شاہ مصر کی خدمت میں وزارت مال کی درخواست کے باب میں عرصہ سے یہ سوال دل میں کھٹک رہا ہے کہ مصری حکومت تو غیر مسلم تھی اسکے تحت عہدہ قبول کرتے۔ چہ جائیکہ اس کی خود ہی فرمائش کرنے کی صورت جواز کیا تھی؟ تفسیروں میں اس مسئلہ سے تعرض خیال میں نہیں آتا۔

(ا) آیت و کذالك مكنا ليوسف فی الارض يتبوء منها حيث يشاء الآیه اور آیت قالوا نفقد صواع الملك اور آیت رب قد آتيتنی من الملك وعلمتنی من تاويل الاحاديث سے متبادر ہوتا ہے کہ آپ برائے نام وزیر تھے۔ اسی لیے آیت میں یاایها العزیز بھی آیا ہے لیکن باعتبار اکثر اختیارات کے بادشاہ تھے۔ البتہ رعایا کے غلبہ سے شرعی قوانین جاری کرسکتے تھے یدل علیه قوله تعالی ما كان لياخذ اخاه فی دين الملك، مگر اس سے ماتحتی لازم نہیں آتی کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ قانون غیر شرعی پر آپکا عمل تھا سو اس عہدہ کے قبول کرنے یا فرمائش کرنے میں کوئی محذور عقلی یا نقلی تو تھا نہیں، مصالح ہی تھے گونا تمام ہی سہی واعظمها ایصال الارزاق الی اهل الجدب اور ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تبلیغ بھی فرماتے تھے۔ یدلّ علیه قوله تعالیٰ ولقد جاء كم يوسف من قبل بالبينٰت فما زلتم۔ البتہ آپ کے بعد پھر سلطنت اہل قبط میں چلی گئی۔ اور یہ اس وقت ہے جب مطلقا عقدا جارہ حربی ناجائز ہو ولا دلیل علیه لا سیما اذا اختلف الشرائع اور جائز کی درخواست بھی جائز ہے۔ لاسیما اذا اشتمل علی المصالح العامة خصوصا۔ (نقوش ص ۵۴۲)

مقامات جلد سادس

۷۶...(م) ص ۳ ج ٦ س ۱ "لقد" کا ترجمہ مجھے نہیں ملا...(ا) ترجمہ اور تفسیر دونوں میں لکھ دیا "بالتحقیق" اور بھی چند مقامات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان میں بھی اسکا ترجمہ رہ گیا۔ غالباً اسکو مضر نہیں سمجھا کیونکہ یہ تاکید و تحقیق کے لیے ہے سوجب ہمارے محاورات میں بدون اسکے خاص ترجمہ کے بھی کلام اپنے سیاق وسباق کو مفید ہوتا اسکے مستقل ترجمہ کی حاجت نہیں سمجھی گئی۔ لیکن ترجمہ ہونا زیادہ احوط ہے۔ میں نے احتیاطاً حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کے ترجمہ کے کئی مقامات کو دیکھا، کہیں بھی اسکا ترجمہ نہیں کیا۔ (نقوش ص ۴۷٦)

۷۷...(م) ص ۳ ج ٦ س ۱ باٰیاتنا کے ترجمہ میں بھی شک رہا آیا ترجمہ رہ گیا یا یہ حکم کافی سمجھا گیا؟

(ا) رہ ہی گیا اب اسطرح بنا دیا "اپنی نشانیوں کے ساتھ" (نقوش ص ۴۷۹)

۷۸...(م) ص ۱۷ ج ٦ س ٦ آخری سطر میں "یومئذ" کا ترجمہ نہیں ملا۔

(ا) یہ انتخاب کرنے والوں کی کوتاہی ہے۔ تفسیر میں یومئذ کا ترجمہ موجود ہے۔ "اس روز" غلطی یہ کی کہ اس لفظ کو بین القوسین کر دیا۔ ممکن ہے میں نے جلدی میں کر دیا ہو مگر انتخاب کرنے والے ادنی توجہ سے اسکو درست کر سکتے تھے۔ اب اس عبارت کو میں نے قوسین سے خارج کر دیا اور صرف لفظ "اے مخاطب" کو بین القوسین میں رہنے دیا۔ (نقوش ص ۴۲۲)

۷۹...(م) ص ۲۱ ج ٦ متن س ۴ کانوا بہ یستھزؤن کا ترجمہ اگر بجائے استہزاء نہ کیا ہو "کے استہزاء نہ کرتے رہے ہوں" رکھوں تو کیسا ہے؟...(ا) نہایت مناسب ہے میں نے بھی ترجمہ وتفسیر دونوں میں یہی بنا دیا۔ (نقوش ص ۴۴۲)

۸۰...(م) ص ۲۷ ج ٦ س ۵، بغلام علیم۔ غلام کا ترجمہ اگر بجائے "فرزند" کے "لڑکے" سے کیا جائے تو کیا مضائقہ ہے لغت میں تو غلام عام ہے بیٹے کے معنی محض سیاق سے پیدا ہوتے ہیں۔

(ا) بہت مناسب ہے میں نے بھی بنا دیا۔ (نقوش ص ۴۴۲)

۸۱...(م) سورۃ الکہف میں ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا سے ایک نکتہ سننے میں آیا مجھے تو بہت پسند آیا تصویب کے لیے خدمت والا میں پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ تین سو کے عدد اور نو کے الگ الگ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ بحساب شمسی سے وہ مدت پورے تین سو سال کی تھی اور بحساب قمری وہی مدت تین سو نو سال کی۔ تین سال فرق ہر صدی میں ہو جاتا ہے۔ امروہہ کے کوئی عالم تیس چالیس سال ادھر مولوی محمد حسن نامی تھے۔...(ا) ان کو مدت سے جانتا ہوں۔ بالکل مجازفات وتخمینات سے کام لیا ہے تحقیق سے مس نہیں۔ میں نے ان کی تفسیر بھی دیکھی ہے ناشافی، ناکافی، نادانی ہے۔

(م) ان کی نظر ہندوؤں اور اہل کتاب کی کتابوں پر بہت تھی، ان ہی نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے۔

(ا) مجھ کو تو مدت سے معلوم ہے مگر میں نے تفسیر میں اس لیے نہیں لیا کہ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ وہ شمسی سال تھے اور بے دلیل قرآن میں جزماً دعوے کرنا خطرناک امر ہے۔ ہاں غایت مافی الباب یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ بنا ہو۔ واللہ اعلم (نقوش ص ۳۱۰)

۸۲...(م) ص ۵ ۱۳ ج ٦ سیدذوالقرنین کے جواوقاف قرآن وحدیث سے جو درج ہوئے ہیں ان میں نمبر ۵ پر جو وصف درج ہے یعنی دیوار کے اس طرف جو یہ یاجوج وماجوج ہیں وہ ابھی باہر نہیں نکل سکے۔ اس باب میں شرح صدر نہیں ہوا۔ یعنی ان

کے اس وقت نہ نکلنے پر قرآنی یا حدیثی دلیل سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔(ا) سورۂ انبیاء میں جو آیت ہے [حتی اذا فتحت یأجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون]۔ میرے نزدیک وہ اسکی واضح دلیل ہے فتحت کی تخصیص بالوقت الخاص سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس وقت تک نہیں نکل سکے اور یہ عادۃً موقوف ہے اس پر کہ دوسری طرف راستہ نہیں ہے۔ (نقوش ص۴۹۶)

۸۳...(م) ص۱۳۶ ج۶ [وعرضنا جھنم] الخ جو ترجمہ فرمایا گیا ہے اس میں "عرضنا" کا زور بھی آ گیا۔

(ا) نہیں آیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے بھی غالباً یہ زور ادا نہیں ہوا۔ میں نے اس طرح بنا دیا ہے "سامنے خاص طور پر (جس میں مصیبت ہی مصیبت نظر آوے) پیش کر دیں گے" اس میں اس سوال کا جواب بھی ہو جائے گا جسکا جواب حاشیہ عربیہ میں تحت عنوان بلاغت دیا گیا ہے۔ (نقوش ص۴۹۶)

مقامات جلد سابع

۸۴...(م) ص۴۶ ج۷ [بل متعنا] کے ترجمہ میں ضمیر جمع متکلم کا ترجمہ واحد متکلم سے چھپا ہے۔

(ا) اب لفظ "ہم نے" بنا دیا ہے۔ (نقوش ص۴۹۵)

۸۵...(م) ص۶۵ ج۷ [آیت بینات] کے ترجمہ میں "جس میں" اصل پر اضافہ معلوم ہوا۔

(ا) لیکن اگر اس کو ترجمہ سے زائد مانا جائے تو اس صورت میں کلمہ "ہیں" کو بھی زائد ماننا پڑے گا۔ تو بقیہ عبارت ترجمہ کی سلیس نہ رہے گی، میں نے سلاست و وضاحت کی غرض سے حاصل سے ترجمہ کیا ہے صرف لفظی ترجمہ نہیں ہے ایسے توسعات ترجمہ میں سب محققین کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ (ص۴۹۶)

مقامات جلد ثامن

۸۶...(م) ص۵ ج۸ متن سطر۱ [شھدٰت باللّٰہ] کا ترجمہ نہیں ملا۔ (ا) اب لکھ دیا "اللہ کی قسم" (نقوش ص۴۸۰)

۸۷...(م) ص۷ ج۸ متن س۶ [ولیعفوا ولیصفحوا] "پورے" فقرے کا ترجمہ نقل ہونے سے رہ گیا ہے۔

(ا) واقعی بہت بڑی فروگذاشت ہوئی۔ اب ترجمہ وتفسیر میں بنا دیا ہے۔ ترجمہ میں تو یہ عبارت لکھ دی، انکو معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کر دینا چاہئے۔ (آگے ترغیب کے لئے الخ) جزاکم اللہ علی ھٰذہ التنبیھات۔ (نقوش ص۴۸۰)

جلد تاسع

(۸۸)...م: ج۹، ص۹، فاولئك ھم المضعفون کے ترجمہ میں "خدا تعالیٰ کے پاس" تفسیری اضافہ ہے نہ کہ ترجمہ۔۔۔ا: واقع میں ایسا ہی ہے۔ میں نے اس طرح کر دیا کہ ترجمہ میں سے حذف کر دیا اور تفسیر میں اس کو بھی قوسین کے درمیان کر دیا۔ (نقوش ص۴۸۷)

(۸۹)...م: ج۹، ص۸۹، مایبدی الباطل ومایعید، اصل ترجمہ کے بجائے اس کا ماحصل ایک اردو محاورہ میں ملا۔

ا: واقعی ظاہراً تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن میں نے جو حاشیہ عربیہ میں توجیہ کی تقریر کی ہے، اس سے یہ حاصل قریب قریب ترجمہ کے ہو گیا ہے۔ مگر اس کے بعد جو میں نے حضرت مولانا دیوبندی قدس سرہ کا ترجمہ دیکھا اور اس پر فوائد بھی دیکھے تو اب میری رائے میں یہ مناسب معلوم ہوا کہ ترجمہ تو حضرت کی موافقت میں اس طرح کیا جائے کہ "اور باطل کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ

پھیر کرادے'' مگر چونکہ اس سے مقصود واضح نہیں ہوا، اس لیے تفسیر میں اس طرح کر دیا جائے ''یعنی نہ وہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا محض گیا گزرا الخ۔'' بس لفظ ''یعنی'' کاٹ دیا جائے اور دوسری قوس اپنی حال پہ رہے جہاں پہلے ہے، غالباً اس میں سب رعایتیں محفوظ اور نمایاں رہیں گی، میں نے مدرسہ کے نسخہ میں اسی طرح کر دیا ہے۔ (نقوش، ص ۴۸۸)

(۹۰)...م: ج۹، ص ۹۲، سطر ۱، بعد موتہا، کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے۔

ا: اس طرح بنادیا، زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے۔ (نقوش، ص ۴۸۸)

(۹۱)...م: ج۹، ص ۱۲۳، ان لھم علیھا الشوبا من الحمیم۔ علیھا کا ترجمہ نہیں ملا۔

ا: اب ترجمہ وتفسیر میں اس طرح بنادیا ''ان کو اس پر''۔ (نقوش، ص ۵۰۵)

جلد عاشر

(۹۲)...م: ج۱۰، ص ۳۶، آخری سطر متن ص ۳۶، آخری سطر متن ''اشد العذاب'' میں عذاب ہی کیوں نہ رکھا گیا، آگ سے ترجمہ کیوں فرمایا گیا؟......ا: یہ عقلمندی اہل مطبع کی ہے، میری تفسیر میں عذاب کا لفظ ہے آگ کا نہیں۔ (ص ۴۸۸)

(۹۳)...م: ج۱۰، ص ۷۶، سطر ۱، ذکر الرحمن میں رحمن ہی کیوں نہ رکھا گیا، اللہ سے ترجمہ کیوں فرمایا گیا؟

ا: خدائے رحمان، بنادیا، مصلحت یاد نہیں۔ (ص ۴۸۸)

(۹۴)...م: ج۱۰، ص ۷۷، سطر ۲، متن ''ذکر'' کا ترجمہ بجائے نصیحت وغیرہ کے ''شرف کی چیز'' سے پوری طرح دلنشین نہ ہوا۔

ا: دوسرے مفسرین نے بھی ایسا کیا ہے کما فی الجلالین وغیرہ۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی اس طرف مشیر ہے۔ قاموس میں ''ذکر'' کے معنی شرف کے بھی لکھے ہیں اور اس کو اس لیے ترجیح ہو سکتی ہے کہ یہ حضور کی شان کے زیادہ لائق ہے۔ (ص ۴۸۸)

(۹۵)...م: ج۱۰، ص ۹۱، عذاب الجحیم کے ترجمہ میں لفظ ''عذاب چھوٹ گیا ہے۔''

ا: ترجمہ چھوٹا نہیں لفظ ''تکلیف دینے والا'' عذاب ہی کا ترجمہ ہے۔ کیونکہ عذاب کے لغوی معنی یہی ہیں اور گو حضرت شاہ صاحب دہلویؒ نے ''جلتے پانی کا عذاب'' ترجمہ میں لکھا ہے مگر لفظ ''ڈالو'' عذاب کے ساتھ محاورہ میں بے ربط ہے، اس لیے نہیں لیا گیا۔

(۹۶)...م: ج۱۰، ص ۹۱، ووقھم عذاب الجحیم کا ترجمہ رہ گیا......ا: اب لکھ دیا۔ (ص ۵۰۹)

(۹۷)...م: اسی صفحہ پر وزوجنھم بحور عین میں زوجنھم کا ترجمہ ''ہم بیاہ کر دیں گے'' درج ہے، شاہ صاحب وغیرہ نے بھی یہی کیا ہے۔ لیکن اہلِ لغت نے یہاں تصریح ''تزویج'' کے معنی ''قران'' یا ''ملانے'' کے قرار دیئے ہیں نہ کہ نکاح متعارف کے۔ چند عبارتیں حاضر ہیں:

مفرداتِ راغب: ای قرناھم بھن ولم یجیء فی القرآن زوجناھم حورا کما یقال زوجته امرأة تنبیھا علی أن ذلك لا یکون علی حسب المتعارف فیما بیننا من المناکحة۔

لسان العرب: قال الفراء: زوج الشیء بالشیء وزوجه الیه قرنه وفی التنزیل وزوجناھم بحور عین ای قرناھم۔.........تاج العروس: قال شیخنا وفیه الباء الی ان الایة تکون شاھدا... لان المراد منھا القران لا التزویج المعروف لانه لا تزویج فی الجنة وقیل قرنت باعمالھا ولیس فی الجنة تزویج ولذالك ادخل الباء فی قوله وزوجناھم بحور عین۔

ا: واقعی ان عبارات کا مقتضی یہی ہے جو آپ نے لکھا لیکن مختصر تتبع سے مشہور ترجمہ کی بھی اصل ملی۔ فی تفسیر الجلالین: زوجناھم

من التزويج اوقرنا فی الکمالین۔ ولذالك عدّی بالباء اما التزویج فانما یتعدی بنفسه لابالباء۔ لانه لاعقد هناك ومن فسره بالتزویج۔ قال والباء زائدة علی انه نقل من الاخفش تعدیته بالباء ایضا۔ وفی روح المعانی بعد نقل القول بانه متعد بنفسه وفیه بحث فان الاخفش جوز الباء فیه فیقال زوجناه بامراة فتزوج بها۔۔ یعدونه بالباء ایضا۔۔۔ وفی القاموس(قبل العبارة فی السوال) زوجناه امراة قلت والیه اشیر بقولی فی الحاشیة وهذا احد القولین واما نفی التزویج فلا دلیل علیه۔۔۔ وقد ذکرت جوابه فی تفسیری تحت هذه الآیة فلیراجع۔ (ص۵۱۰)

جلد یازدہم

(۹۸)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۱۰، سطر ۳، متن ''بین یدیه'' کا ترجمہ ''اپنی سی'' سمجھ میں نہ آیا۔

ا: غلط نامہ میں اس کی تصحیح چھپ چکی ہے۔ ''اپنی سے پہلی'' الخ۔ (ص ۴۹۰)

(۹۹)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۱۳، سطر ۱، متن ''ان الذین کفروا'' کا ترجمہ جولوگ کافر ہوئے یا جن لوگوں نے کفر کیا، اور ''ان الذین آمنوا'' کا ترجمہ ''جو لوگ ایمان لائے''، اگر کیا جاتا تو شاید الفاظ قرآنی سے قریب تر ہوتا۔

ا: بے شک اس میں یہ ترجیح ہے اور ترجمہ موجودہ میں سلیس اور مختصر ہونے کی ترجیح ہے، اہلِ ذوق کو اختیار ہے۔ (ص ۴۹۰)

(۱۰۰)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۵۷، سطر ۲، متن ''یومهم'' میں ضمیر ''هم'' کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

ا: حاصل کے محفوظ رہنے سے مضر تو نہیں لیکن اگر ترجمہ ہو تو اولیٰ ہے جیسے شاہ صاحب دہلویؒ نے لفظ ''اپنے'' اور حضرت دیوبندیؒ نے لفظ ''ان کے'' سے ترجمہ کیا ہے۔ (ص ۴۹۱)

(۱۰۱)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۵۸، سطر ۱، متن و کتب اور والبیت اور والبحر میں جو واؤ ہے، اس کے متعلق سوال ہے کہ یہ واؤ قسم ہے یا واؤ عطف؟۔۔۔۔۔۔ا: اکثر نے واؤ عطف ہی لیا ہے، ملاحظہ ہو روح المعانی: بقوله والواؤ الاولی للقسم ومابعدها علی ماقال ابو حیان للعطف۔ تفسیر شاہ صاحب دہلوی و حضرت دیوبندی۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واؤ قسم لیا ہے اور دونوں کی نظیریں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ والصفت صفا والمرسلات عرفا فالعصفت عصفا میں اسی طرح والنازعات غرقا الخ اسی طرح والذاریات الخ میں واؤ عاطفہ ہے بقرینہ فاء کے، فاء قسم کے لیے نہیں آتی۔ اور والشمس وضحاها الخ میں ظاہراً سب واؤ قسم کے لیے ہیں اور عطف بھی محتمل ہے اور یہ تعدد قسم یہاں تو صریح نہیں مگر سورہ قیامہ میں تکرار ''لا اقسم'' سے یہ تعدد صریح ہے۔ (ص ۴۹۱)

(۱۰۲)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۷۳، سطر ۱، نذیر اور نذر کا ترجمہ بجائے ڈرنے والے اور ڈرانے والوں کے پیغمبر اور پیغمبروں سے کیوں فرمایا گیا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۱۰۳)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۷۶، سطر ۲، سوال بالا۔۔۔ا: روح المعانی میں اس مقام پر اس تفسیر کی تصریح کی ہے۔ کذبت ثمود بالنذر، بالرسل علیهم السلام، گو دوسرے احتمال کو بھی بعد میں لکھا ہے، مگر راجح اول ہی کو سمجھا ہے جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں مقصود خاص قید ''انذار'' نہیں، اس لیے مقید بول کر مطلق مراد لے لیا گیا ہے۔ (ص ۴۹۱)

(۱۰۴)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۸۲، سطر ۲، جن وانس تو ثقلین کی تفسیر ہوئی نہ کہ ترجمہ۔

ا: مگر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جن وانس ہی سے ترجمہ کیا ہے، ترجمہ میں ایسے توسعات سب کے کلام میں ہیں۔ (ص ۴۹۲)

(۱۰۵)۔۔۔م: ج ۱۱، ص ۹۷، سطر ۳، جاء امر الله، ترجمہ میں ''تم پر'' اضافہ معلوم ہوتا ہے۔

ا: واقعی معلوم نہیں، یہ کیوں لکھا گیا، اب حذف کر دیا گیا۔ (ص ۴۹۲)

مقامات جلد دوازدھم

(۱۰۶)...م: ج ۱۲، ص ۶، سطر ۱، ''انّ'' کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
ا: لکھا نہیں گیا، حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ میں بھی نہیں لکھا گیا، مگر ہونا بہتر ہے اب بنا دیا ''تحقیقًا'' (ص ۴۹۲)
(۱۰۷)...م: ج ۱۲، ص ۱۵، سطر ۳، ''عنہ'' کا ترجمہ مجھے نہیں ملا...ا: اب لکھ دیا ''اس سے''۔(ص ۴۹۲)
(۱۰۸)...م: ج ۱۲، ص ۱۵، سطر ۵، ''اجورھن'' ضمیر ''ھن'' کا ترجمہ مجھے نہیں ملا...ا: اب لکھ دیا، ان کی۔(ص ۴۹۲)
(۱۰۹)...م: ج ۱۲، ص ۱۵، سطر ۶، ترضع لہ میں لہ کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
ا: واقعی ضروری چیز کی فروگزاشت ہوئی، شاہانِ دہلی نے ''بہ فرمودہ او'' اور ''اس کی خاطر'' ترجمہ کیا ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ ''لہ'' کا مرجع ''باپ'' ہے، چنانچہ جلالین میں اس کی تصریح ہے، میں نے ترجمہ اس طرح درست کر دیا ہے ''تو باپ کی تجویز سے'' الخ، میری رائے میں اس میں سب ضروریات کی رعایت ہوگئی۔(ص ۴۹۲)
(۱۱۰)...م: ج ۱۲، ص ۱۸، سطر ۵، احسن اللہ لہ میں لہ کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
ا: تفسیر سے انتخاب میں کوتاہی ہوئی، لفظ ''ان کو'' کو چھوڑ دیا ہے۔(ص ۴۹۲)
(۱۱۱)...م: ج ۱۲، ص ۲۰، سطر ۵، عبدات کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
ا: تفسیر میں موجود ہے، یہاں بھی انتخاب میں کوتاہی ہوئی۔(ص ۴۹۲)
(۱۱۲)...م: ج ۱۲، ص ۳۵، فتری القوم فیھا میں فیھا کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
ا: اس طرح۔ اس قوم کو ان (ایام) میں اس طرح الخ۔(ص ۴۹۵)
(۱۱۳)...م: ج ۱۲، ص ۳۵، یحمل عرش ربك فوقھم میں فوقھم کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔
ا: اس طرح بنا دیا، آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔(ص ۴۹۵)
(۱۱۴)...م: ج ۱۲، ص ۳۶، فلیس لہ الیوم ھھنا میں ھھنا کا ترجمہ نہیں ملا۔
ا: اس طرح بنا دیا، اس شخص کا وہاں (یعنی آخرت میں کذا فی الخازن)۔(ص ۴۹۵)
(۱۱۵)...م: ج ۱۲، ص ۳۹، فی اموالھم حق معلوم میں معلوم کا ترجمہ نہیں ملا...ا: اس طرح بنا دیا ''حق مقرر ہے''۔(ص ۴۹۵)
(۱۱۶)...م: ج ۱۲، ص ۴۷، قالوا تلك اذا کرۃ خاسرۃ میں قالوا کا ترجمہ نہیں ملا۔
ا: جدید مطبوع میں اس طرح چھاپا (استعجاب سے) کہنے لگے کہ (اگر ایسا ہوا تو الخ)۔(ص ۴۹۵)
(۱۱۷)...م: ج ۱۲، ص ۹، الا ماشاء اللہ کا ترجمہ مگر جس وقت چھپا ہے۔ یہاں لفظ ''وقت'' بجائے قدر کے غلط چھپ گیا جیسا کہ آگے چل کر تفسیر میں جس قدر ہی درج ہے۔(نقوش، ص ۴۹۵)

وقد تم ھھنا ما اردنا ایرادہ فی ھذا المقام ای تتمة البیان فی ترجمة القرآن بتوفیق الملك العلام والصلوٰة والسلام الاتمان الاکملان علی سیدنا محمد خیر الانام وعلی آلہ واصحابہ البررۃ الکرام الی یوم القیام۔

احقر عبدالشکور الترمذی عفی عنہ ذنبہ الخفی الجلی

(المدرسة الحقانیة ساھیوال سرجودھا)

تحریرًا فی شھر ذی القعدۃ الحرام ۱۳۹۲ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمہید

ضمیمہ ''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن''

بعد الحمد والصلوٰۃ: آنکہ ''بیان القرآن'' کے بعض اور بھی ایسے مقامات کا عزیزم مولوی قاری محمد طاہر صاحب سلمہ ملتانی کی یادداشت کے ذریعہ علم ہوا، جن میں ترجمہ وغیرہ کی کمی رہ گئی ہے ان کو بھی ذیل میں افادۂ ناظرین کے لیے بطورِ ضمیمہ ''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' کے درج کیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ مقامات حضرت حکیم الامت مؤلفِ بیان القرآن کی نظر اصلاحی سے نہیں گزرے اور نہ ہی ان ترمیمات کو حضرت مؤلف رحمہ اللہ نے تجویز اور قبول فرمایا ہے، اس لیے نہ تو ان کو حضرت مؤلف کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بیان القرآن کے ترجمہ میں داخل کیا جاسکتا ہے کیونکہ غیر مؤلف کو دوسرے کی تالیف میں ترمیم وتصرف کا حق نہیں پہنچتا۔

البتہ اس کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ بیان القرآن کے آخر میں غلطنامہ کے طور پر ان کو ملحق کردیا جائے تاکہ ناظرین ان سے استفادہ کرسکیں۔ حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ کی قبول وتجویز کردہ ترمیمات سے امتیاز کرنے کی غرض سے ہی ان ترمیمات کو تتمۃ البیان میں شامل نہیں کیا بلکہ ان کو علیحدہ بطورِ ضمیمہ پیش کیا جارہا ہے۔ ان مقامات کی یہی ترتیب اور متعلقہ مقامات سے مقابلہ کرکے دیکھنے کی اور ہر متروکہ مقامات کا ترجمہ کرنے کی خدمت احقر نے ہی انجام دی ہے۔

اس لیے ناظرین کرام کی خدمت بابرکت میں معروض ہے کہ جن کلماتِ قرآنیہ کا ترجمہ رہ گیا ہے، ان کا ترجمہ کرنے میں اگرچہ احقر نے اس کا التزام کیا ہے کہ اگر بیان القرآن کے کسی دوسرے مقام میں اس کلمہ کا ترجمہ حضرت علیہ الرحمۃ کا کیا ہوامل گیا تو اس کو ہی متروکہ ترجمہ کی جگہ لکھ دیا گیا، نیا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ اور جس جگہ اس لیے نیا ترجمہ کرنا پڑا کہ یا تو وہ کلمہ قرآن پاک میں مکرر نہیں آیا جس کا ترجمہ درکار تھا یا احقر کی تلاش میں وہ دوسرے مقام پر دستیاب نہیں ہوسکا تو اس جگہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ لکھ دیا گیا، مگر ایسے مقامات اس ضمیمہ میں بہت کم ہیں۔ پھر بھی احتیاطاً اس ضمیمہ کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی نظر اصلاحی سے گزار لیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس میں جو غلطی رہ گئی ہو، اس کو احقر مرتب کے نقصانِ علم وفہم کی طرف منسوب کرکے اس سے احقر کو مطلع فرمایا جائے۔ مؤلف علیہ الرحمۃ اور نظرِ اصلاحی فرمانے والے بزرگوں کو اس غلطی سے بالکل بری تصور کیا جائے۔ اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول ونافع فرمائیں، آمین۔ فقط

احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ...... مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا (۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ)

ضمیمہ (متعلقہ جلد اول)

(۱) ج۱،ص۱۶۱،ان تغمضوا فیه فیه کا ترجمہ رہ گیا ہے "اس میں"...(۲) ج۱،ص۱۶۳،وما تنفقوا من خیر فلانفسکم من خیر کا ترجمہ رہ گیا تم "مال"...(۳) ج۱،ص۱۷۱،الی اجله کا ترجمہ رہ گیا ہے "اس کی میعاد تک"

متعلقہ جلد دوم

(۴) ج۲،ص۲،سطر۲،فی الارحام کا ترجمہ تفسیر میں رہ گیا ہے "بچہ دانی میں"... (۵) ج۲،ص۶، ربنا اننا اننا کا ترجمہ رہ گیا حضرت شیخ نے بھی ترجمہ نہیں کیا...(۶) ج۲،ص۸،سطر ۵،فی دینهم کا ترجمہ رہ گیا "ان کے دین کے بارے میں"...(۷) ج۲،ص۲۰،سطر ۲من ربکم کا ترجمہ رہ گیا "تمہارے پروردگار کی طرف سے"

(۸) ج۲،ص۲۰،سطر ۶من ربکم کا ترجمہ رہ گیا "تمہارے پروردگار کی طرف سے"

متعلقہ جلد سوم

(۹) ج۳،ص۹،سطر۱،انجنا کا ترجمہ بجائے غائب کے خطاب کے ساتھ کیا گیا ہے "وہ ہم کو ان سے نجات دے دیں"

متعلقہ جلد چہارم

(۱۰) ج۴،ص۳۱،سطر ۲،یفرعون کا ترجمہ رہ گیا "اے فرعون"...(۱۱) ج۴،ص۶۷،سطر ۴،ان الله عزیز حکیم ان الله کا ترجمہ رہ گیا "یقیناً اللہ تعالیٰ".....(۱۲) ج۴،ص۷۷،سطر ۲،کله کا ترجمہ رہ گیا "تمام"

متعلقہ جلد پنجم

(۱۳) ج۵،ص۱۰،سطر۱،لیلاونهارا کے ترجمہ میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے "رات میں یا دن میں"...(۱۴) ج۵،ص۱۶، سطر ۴،ضرًّا ولا نفعًا کے ترجمہ میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے "کسی ضرر اور نفع کا"...(۱۵) ج۵،ص۵۹،سطر ۲،بالقسط کا ترجمہ رہ گیا ہے "انصاف کے ساتھ"...(۱۶) ج۵،ص۱۰۵،سطر ۴،من ربه کا ترجمہ رہ گیا ہے "ان کے رب کی طرف سے"

متعلقہ جلد ششم

(۱۷) ج۶،ص۴،سطر ۶،قالت لهم میں لهم کا ترجمہ رہ گیا ہے "ان سے"...(۱۸) ج۶،ص۲۵،سطر ۶،ربِّ کا ترجمہ رہ گیا ہے "اے میرے رب"...(۱۹) ج۶،ص۱۴،یفرعون کا ترجمہ رہ گیا "اے فرعون"

متعلقہ جلد یازدہم

(۲۰) ج۱۱،ص۱۱۶،سطر ۲،فی المجلس میں مفرد کا ترجمہ کیا گیا ہے "مجلسوں میں"

(۲۱) ج۱۱،ص۱۲۶،سطر ۵،جُدُر میں مفرد کا ترجمہ کیا گیا ہے "دیواروں"

متعلقہ جلد دوازدہم

(۲۲) ج ۱۲، ص ۲۱، سطر ۲، بین ایدیھم وبایمانھم کے ترجمہ میں تقدیم وتاخیر ہوگئی "انکے سامنے اورانکے داہنے"
(۲۳) ج ۱۲، ص ۳۰، سطر ۱، یٰویلنا کا ترجمہ رہ گیا "ہائے کمبختی ہماری"
یہاں تک پہنچ کر تتمۃ البیان کا ضمیمہ بھی مکمل ہوا، اللہ تعالیٰ اسے بھی نافع اور مفید بنائے، آمین۔ فقط

احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

تصدیقات

تصدیق بر "ضمیمہ تتمۃ البیان" حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

تفسیر بیان القرآن میں ترجمہ میں متروکہ الفاظ کا ترجمہ اور تکمیل احقر کی نظر سے گزرا، میرے نزدیک یہ درست ہے۔

محمد شفیع ۱۲/۶/۱۳۹۳ھ

تصدیقات حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ متعلقہ "تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن"

تصدیق حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ وحضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حامدا ومصلیا ومسلما!
اس بات کی ضرورت تھی کہ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے بعد میں اپنی تفسیر میں جو اضافہ وافادات فرمائے اور جو اصلاحات کیں، وہ منصہ شہود پر آجائیں اور خواص وعوام اس سے فیض یاب ہوں اور مزید تحقیقات کا ذخیرہ ان کے ہاتھ میں آجائے۔ بحمد اللہ اس کام کی تکمیل مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی نے فرمائی ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ احقر نے حسب الحکم حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ العالی اس کا مطالعہ کیا، ماشاء اللہ تمہیدی مقدمہ بھی بہت خوب ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے محاسن جتنے بھی بیان کیے جائیں، کم ہیں۔ یزدوجهه حسنا اذا مازدته نظرا اس کا استفادہ فی الحال اگرچہ مولانا عبدالماجد صاحب کی مکاتبت سے کیا گیا ہے، مگر مقصود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کی نقل ہے۔ اور مولانا عبدالماجد صاحب کے تفسیری تفردات جو ان کی تفسیر میں مذکور ہیں، ان کی تائید نہ سمجھنا چاہیے۔ چونکہ ان کی تفسیر محلِ بحث نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کے نفع کو عام وتام فرمائیں، آمین صلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

احقر الانام محمد وجیہ غفرلہ
مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ (ٹنڈوالہ یار)... ۲۷ ذیقعدہ ۹۲ھ

بندہ بھی مولانا وجیہ صاحب کی تقریظ سے متفق ہے۔ والسلام ظفر احمد عثمانی (۲۹ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ)

عارف باللہ حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: بندہ نابکار بے بضاعت علمی نے اس رسالہ نفیسہ ودر ثمینہ کو سنا۔ الحمدللہ تعالیٰ اس کو اعلیٰ معیار پر پایا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی سعی کو مشکور اور پڑھنے والوں کو نفع عظیم بخشے، وما ذالك علی اللہ بعزیز وھو بالاجابۃ جدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

عبداللہ عفی عنہ

مہتمم مدرسہ اشرف العلوم حبیب آباد شجاع آباد (حال مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا، ۲۸ رصفر ۱۳۹۳ھ)

گرامی نامہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی بنام احقر

مجھے یاد نہیں کہ حضرت نے بیان القرآن کی یہ ترمیمات کہاں کس رسالہ میں لکھی ہیں، جو حضرت کی حیات میں شائع نہیں ہوسکیں۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کیا رائے دوں۔ اگر حضرت نے اپنی کتاب یا مضمون میں خود ان ترمیمات کی ضرورت کا اظہار فرمایا ہے تو بلاشبہ ان کی اشاعت ضروری ہے، اس میں کسی کے مشورہ کی ضرورت کیا ہے اور اگر ایسی تصریح نہیں تو اپنے اجتہاد سے ایسا کرنا میری سمجھ میں نہیں آتا، اس سے زیادہ عرض کی ہمت نہیں، والسلام

محمد شفیع

۲۹/۱/۱۳۹۳ھ

فقیہ اعظم حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

از جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

اس کی اشاعت ان شاء اللہ مفید ہوگی، سوال وجواب ضروری اور مفید ہیں، خود اصلاحات کی بنا پر اصل عبارت میں تبدیلی کردی جائے تو بہتر ہے، مگر سند بیان کر کے یعنی یہ مضمون پورا شائع کر کے یہ عرض کیا گیا اور یہ جواب مرحمت ہوا، اس پر ترمیم کردی گئی تاکہ یہ اشتباہ نہ ہوسکے کہ حیات مبارکہ میں ترمیم خود فرمائی ہے، یہ واضح ہوجائے۔ فقط

جمیل احمد

۹ شوال ۱۳۹۳ھ

خطیبِ ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن میں طباعت وکتابت اور سہو کی بعض ایسی غلطیاں چلی آئی تھیں، جن کو دیکھ کر غلطیوں کی درستگی کا بار بار خیال آیا مگر مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ مفید خدمت اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب سے لے لی۔ چنانچہ یہ مختصر رسالہ ''تتمۃ البیان'' اسی نادر اور مفید خدمت پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماوے اور مسلمانوں کو استفادہ کا موقع مرحمت فرماوے، آمین۔

احتشام الحق تھانوی

۱۸ صفر ۱۳۹۳ھ ملتان